نغمۂ سرمد

श्री महेन्द्र जैनी की नज़्र

, पद्म

نذر جینی

رشید ...

٢٣
٣
٥٨

उक्त पुस्तक ला. इन्द्र सेन जैन ...
... से प्राप्त हुई।

10-7-85

عُمریست که آوازهٔ منصور کهن شد

من از سرِ نو جلوه دهم دار و رسن را

نغمۂ سرمد

سرمد کی فارسی رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں

مترجم

عرش ملسیانی

بار اول ۵۰۰

قیمت پانچ روپے

ناشر

مرکز تصنیف و تالیف نکودر

(ملازمین پنجاب پولیس ہند)

گفتنی

قومی یک جہتی ملک کی بقا کے لیے لازم ہے۔ اس کارِ نیک کے اوّلین علم برداروں میں دارا شکوہ اور شہید سرمد کا نام بہت ممتاز ہے۔ ان کی تصانیف کو ملکی زبانوں میں پیش کرنا قومی یک جہتی کے لیے بہت مفید ہوگا۔

کچھ اس خیال سے اور کچھ اس وجہ سے کہ کلامِ سرمد کا میں بچپن سے عاشق ہوں۔ میں نے رباعیات سرمد کا ترجمہ اُردو رباعیات کی شکل میں کیا۔ بچپن میں ایک شعر سنا تھا ؎

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ غنودیم

سنانے والے نے کہا یہ شعر سرمد کا ہے۔ یہ بات دل میں نقش ہوگئی اور میں "ایسا شعر کہنے والے" باکمال شاعر سرمد کے کلام کا عاشق ہوگیا۔ اب یہ بات کھلی کہ یہ سرمد کا نہیں، بلکہ غزالیٔ مشہدی کا ہے۔[1]

زمانہ گزرتا گیا۔ دس بارہ سال ہوئے شانتی نکیتن سے رباعیات سرمد اور ان کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ فضل محمود اسیری اس کتاب کے مرتب و مترجم ہیں۔ انھوں نے بڑی تحقیق سے سرمد کے حالات بھی لکھے ہیں لیکن روایت کے دام میں وہ بھی پھنس گئے ہیں۔

---

[1] منتخب التواریخ از بدایونی جلد سوم در بیانِ غزالی

میں اسیرؔ صاحب کا شکر گزار ہوں کہ رباعیات کا صحیح ترین متن مجھے ان سے ملا۔ حالاتِ مصنف اور اس کی شاعری پر مختصر محاکے کی غرض سے میں نے بہت سی کتابیں دیکھیں۔ ان میں سے اہم ترین کتابوں کی فہرست "کتابیات" کے تحت کتاب کے آخر میں درج ہے۔

بہت سی رباعیاں سرمدؔ سے یوں بھی منسوب ہو گئی ہیں اور اس باب میں مولانا ابوالکلام آزاد ایسے فاضل لوگوں سے بھی تسامح ہوا ہے۔

سرما بگذشت و ایں دلِ زار ہمہ   گرما بگذشت و ایں دلِ زار ہمہ
القصہ تمام سرد و گرم عالم   برما بگذشت و ایں دلِ زار ہمہ

مولانا آزاد نے غبارِ خاطر[1] میں یہ رباعی سرمدؔ سے منسوب کی ہے حالانکہ بقول قاضی عبدالودود یہ رباعی ذرہ کی ہے جو سید شمس الدین فقیرؔ کے شاگرد ہیں۔ ہو سکتا ہے جن رباعیوں کا ترجمہ کیا گیا ہے ان میں سے بھی کوئی رباعی غلطی سے سرمدؔ سے منسوب ہو گئی ہو۔

قاضی عبدالودود صاحب نے میری رہنمائی کی، اس لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

ترجمے کو قبلہ والد صاحب حضرت جوشؔ ملسیانی نے اصلاح کی نظر سے دیکھا۔ ان کا یہ بزرگانہ کرم میرے اظہارِ شکر گزاری سے بے نیاز ہے۔

عرشؔ ملسیانی

---

[1] ص ۲۶۲ - حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی نقش دوم ۱۹۴۶

نغمة سرمد

سرمد کے سوانح اور شاعری

سرمد کے حالاتِ زندگی نہیں ملتے۔ عہدِ عالمگیری کے تاریخ نویس سیاسی مصلحتوں کی بنا پر سرمد کے باب میں خاموش ہیں۔ دو کتابوں سے تھوڑے بہت حالات ملتے ہیں۔ ریاض الشعرا مصنفہ علی قلی خاں والہ داغستانی اور دبستانِ مذاہب[1]۔ ان کے علاوہ کلمات الشعرا[2] از سرخوش میں بھی مجملاً اس کا ذکر آتا ہے۔

---

[1] ص ۲۲۲۔ ۲۲۴۔ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۸۱ء

دبستانِ مذاہب کے مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن اپنے حالات دیئے ہیں۔ سر ولیم جونس نے غلط فہمی کی بنا پر اسے فانی کشمیری کی طرف منسوب کیا ہے اور بہتوں نے بشمول ابوالکلام آزاد اس کی تقلید کی ہے لیکن سر ولیم جونس کو خود اس پر اصرار نہ تھا جیسا کہ بعض معاصرین کی تحریر سے ثابت ہے۔ ملا فیروز نے اپنی شائع کردہ دساتیر میں اس مصنف کا نام میر ذوالفقار علی لکھا ہے اور مآثر الامراء میں غالباً ذوالفقار تخلص موبد لکھا ہے۔ یقین نہیں کہا جا سکتا کہ ملا اور صاحب مآثر کے ذہن میں دو مختلف اشخاص ہیں، یا ایک۔ بہر حال ذوالفقار علی یا ذوالفقار تخلص بہ موبد کے حالات کسی نے نہیں تحریر کیے کہ یہ کہا جا سکے کہ دبستان کے مطابق ہیں یا نہیں۔ میری قطعی رائے ہے کہ اس کا مصنف مسلمان نہ تھا۔ یہ اس مذہب کا ماننے والا تھا جو دساتیر میں پیش کیا گیا ہے۔ فرہنگ انجمن آرائے ناصری اور بعض دوسری ایرانی کتابوں میں اس مصنف کا نام خسرو بن آذر کیوان بتایا ہے اور یہ میرے نزدیک بہت قرینِ قیاس ہے۔ بجز اس کے ممکن ہے کہ اس کا تخلص موبد ہو اور بعض اوقات یہ اپنے کو ذوالفقار علی بھی کہتا ہو۔ دساتیری مذہب والے کبھی کبھی اپنا ایک مسلمان نام بھی رکھتے تھے۔ (قاضی عبدالودود کے ایک خط کا اقتباس)

[2] کلیم سرمد مجذوب وضع سراپا برہنہ بود۔ بمذاق تصوف آشنائی تمام داشت۔ گاہ گاہ فکرِ رباعی می کرد۔ دارا شکوہ خلف بادشاہ از راہِ موحدی اورا دوست می داشت۔ پیش بادشاہ تعریف او کرد۔ خلیفۂ الٰہی عنایت خاں آشنا را برائے تفتیش و تحقیق کشف و کرامات او فرستاد۔ خان معزالیہ اورا دیدہ باز بخدمتِ شاہ رفت و احوال او بایں بیت نمود۔ (بقیہ ص ۱۰ پر)

سرمد کا اصل نام محمد سعید تھا۔ وہ ۱۶۱۸ عیسوی میں شاہ عباس کے زمانے میں کاشان میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین آرمنی یہودی تھے۔ یہودیوں کی مقدس کتاب توریت اس نے بچپن ہی میں زبانی یاد کرلی تھی۔ جستجوئے علم اس کی جبلت تھی۔ توریت کے بعد بائبل اور عیسائیت کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا تشنگیٔ علم پھر بھی نہ بجھی تو اسلامی کتب کا مطالعہ کیا۔ عربی اور فارسی پر اسے پوری قدرت تھی۔ خوش نصیبی سے اسے ملا صدرالدین شیرازی اور ابوالقاسم فندرسکی جیسے اساتذہ کامل مل گئے چنانچہ انھیں باکمال استادوں کی تعلیمات کے زیر اثر مشرف باسلام ہوا۔ فندرسکی بہت آزاد خیال تھا اس لیے سرمد کی آزاد خیالی ایک ایسا ورثہ تھا جو اُسے استاد سے ملا۔

مجمع الافکار میں معتمد خاں مصنف اقبال نامہ جہانگیری کے حوالے سے درج ہے کہ سرمد ۱۶۳۱ء میں ہندوستان میں پہنچا۔ وہ تجارت کے سلسلے میں آیا اور سندھ کی بندرگاہ ٹھٹھہ کے مقام پر قیام پذیر ہوا۔ یہاں وہ ابھے چند نامی ایک ہندو لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ لڑکے کے باپ نے لڑکے کو چھپا لیا اور معاملے کی اطلاع ٹھٹھہ کے بخشی مرزا محمد بیگ کو کر دی۔ محمد بیگ نے سرمد کو ایک شعر لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اگر افلاک کے خزانے میرے پاس ہوتے تو میں درم کے عوض غریبوں کو تالے بخشتا"۔ اس کے جواب میں سرمد نے نہایت برجستہ اور حسب مطلب رباعی مرزا بخشی کو لکھ کر بھیجی۔

بر سر برہنہ کرامات تہمت است — کشفی کہ ظاہر است از و کشف عجت است

سال اول جلوس عالمگیر شاہ بسبب الحاد و عریانی بفتوائے علمائے زمان بقتل رسید۔ از سرماست رباعی سرمد چہ طلسم ہاکر دو عالم ۱۲ سرمد کہ زجام عشق سرمستش کردند ۱۲ ہر کس کہ سرے عشق بادہ شد ۱۲

اے بادِ بمیرزا ئی بخشی | کاے کردہ فلک زیرِ رایت رخشی
گفتی کہ کواکب چو درم می پاشم | خورشید مرا نیز بمن می بخشی

بقول مولانا روم ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

روایت ہے کہ ابھے چند اس کے ساتھ ہولیا۔ سرمد نے اسے علم و فضل کی دولت بخشی۔ زبورِ داؤد اور خمسۂ موسیٰ پڑھایا۔ ابھے چند کا یہ شعر اس کے مسلک کا مظہر ہے ؎

ہم مطیع فرقانم ہم کیششِ رہبانم
ربّی یہودانم کافرم مسلمانم

سرمد اس کی محبت میں اس قدر والہ وشیدا ہوا کہ برہنہ تن رہنے لگا۔ سرمد کی اس محبت کے باب میں اخلاق کا درس دینے والے خواہ کچھ کہیں لیکن اہلِ دل جانتے ہیں کہ شعلۂ محبت جب لپکتا ہے تو وہ احتیاط اور مصلحتوں کو خس وخاشاک کی طرح جلا دیتا ہے۔ سرمد کو دردِ محبت ملا تھا اور بقول مولانا عطار ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را
ذرۂ دردے دلِ عطار را

وہ اس درد کی لذت سے بہرہ یاب ہونے پر فخر کرتا تھا وہ کبھی یہ محسوس کرتا تھا۔

سرمد در دین عجب شکستی کردی | ایمان بفدائی چشم مستی کردی
با عجز و نیاز جملہ نقدِ خود را | رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

لیکن اس کے باوجود معشوق کے رتبے کے باب میں یہاں تک کہہ گیا ؎

خدائے من ابھے چند است یا دیگر

راہِ عشق میں سب کچھ لٹا کر برہنہ تن دیوانۂ فرزانہ اپنے محبوب کے ساتھ ٹھٹھہ سے عازمِ سفر ہوا۔ ۱۶۳۴ء میں معتمد خاں اس سے لاہور کے ایک باغ میں ملا۔ لیکن قیامِ لاہور کا زمانہ کتنا تھا، اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ معتمد خاں کے بیان کے مطابق سرمد بڑا ہر دل عزیز تھا۔ ہر نقطۂ خیال کے لوگ اس کے گرد جمع رہتے تھے۔ یہاں تک کہ امراء بھی اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

اس کے بعد بارہ تیرہ سال کی مدت تک سرمد کا کوئی پتہ نہیں۔ ۱۶۴۷ء میں وہ حیدرآباد (دکن) پہنچا۔ حیدرآباد جاتے ہوئے وہ دلّی یا آگرہ گیا، اس کا کوئی علم نہیں۔ عبداللہ قطب شاہ اس وقت گولکنڈے کا بادشاہ تھا اور شیخ محمد خاں اس کا وزیرِ اعظم۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ شاہِ گولکنڈہ اور اس کے وزیرِ اعظم نے سرمد کی پذیرائی نہیں کی لیکن دبستانِ مذاہب کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ اور وزیر دونوں سرمد کی بہت عزّت کرتے تھے۔ سرمد نے شیخ محمد (وزیر) کی مدح میں ایک رباعی بھی کہی ہے۔

حیدرآباد کے عوام بھی سرمد کی عظمت کے قائل اور اس کے پرستار تھے۔ مصنفِ دبستان نے لکھا ہے کہ وہ اس مجمع میں موجود تھا جس میں سرمد نے میر جملہ کو ترقیٔ درجات کی دعا دی تھی۔ فقیر کی یہ دعا حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ میر جملہ مغلیہ افواج میں شامل ہو گیا اور بعد میں بنگالے کا گورنر بنا۔ شیخ محمد کی موت کی پیش گوئی کی تو اس نے سرزمینِ حجاز میں مرنے کے لیے مکّے کا سفر اختیار کیا لیکن ساحلِ عرب کے قریب ایک ہولناک طوفان میں جہاز غرق ہو گیا۔

حیدرآباد میں سرمد کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کو فی البدیہہ رباعیاں سناتا۔ اس کی باعیوں میں تصوف کے مسائل ہیں۔ ترکِ ہوا وہوس کا درس ہے۔ دنیا اور مال ومنال کو بے حقیقت ٹھہرایا ہے وہ عالم باعمل تھا۔ تارک دنیا تھا۔ یہاں تک کہ لباس برہنگی اختیار کر رکھا تھا۔ لوگ اس کے کلام سے متاثر ہوکر اس کے گرویدہ ہوجاتے۔ اس کی شہرت قطب شاہ کی سلطنت کے باہر دور دراز تک پہنچی۔

وہ دلی کب آیا۔ اس کی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی۔ شاہ جہاں کی حکومت کے آخری دور میں وہ دلی آیا۔ عوام اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ داراشکوہ اس کا حلقہ بگوش بن گیا۔ سرمد کے مزید حالات جاننے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ داراشکوہ کی زندگی پر روشنی ڈالی جائے۔

دارا نے خود سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ وہ ۱۰۲۴ ہجری میں ساگرتال کے کنارے اجمیر کے نواح میں پیدا ہوا۔ شاہ جہاں کے پہلے دونوں بچے حورالنساء بیگم اور جہاں آرا بیگم لڑکیاں تھیں۔ شاہجہاں نے خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ میں جاکر سجدے کیے منتیں مانیں، تو چوبیس سال کی عمر میں فرزند عطا ہوا جو تاریخ میں داراشکوہ کے نام سے مشہور ہوا۔

داراشکوہ کی زندگی کے ابتدائی حالات بہت کم ملتے ہیں۔ وہ شاہ جہاں کا بہت چہیتا اور لاڈلا بیٹا تھا' اس لیے اس نے خود سے اسے الگ نہ کیا۔ شجاع' اورنگ زیب اور مراد صوبوں کے گورنر بنائے گئے۔ انھیں نظم ونسق کا تجربہ ہوا۔ جنگ آزمائی میں وہ ماہر ہوئے لیکن دارا محض شاہی دربار کی زینت بنا رہا۔ اسے الہ آباد اور پنجاب کا گورنر بنایا بھی گیا مگر اس نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے حکومت کی اور شاہی دربار کو نہ چھوڑا۔ شاہ جہاں ۱۰۶۷ ہجری میں بیمار پڑا اس کے بعد بھائیوں میں تخت حاصل کرنے کے لیے خانہ جنگی شروع ہوئی۔ شاید اسی سے متاثر ہو کر

ترجمے کے لکھا ہے۔

یاراں چہ قدر داو دورنگی دارند | مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہائے شطرنج | در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

شجاع نے دارا کے بیٹے سلیمان شکوہ کو شکست دی۔ اورنگ زیب اور مراد کی فوجوں نے دارا کو۔ دارا اِدھر اُدھر بھاگتا پھرا۔ مصائب کے اس دور میں اس کی محبوب ترین بیوی نادرہ بیگم کا انتقال ہوگیا۔ ملک جیون نے اسے گرفتار کرکے اورنگ زیب کے حوالے کردیا۔ علماء کی ایک شرعی عدالت نے اسے اورنگ زیب کے حسب خواہش کفر کے الزام میں سزائے موت دی۔

دارا صوفی منش آدمی تھا۔ اس کی تصنیفات سے اس کی اسلام دوستی اور عالی ظرفی ظاہر ہے۔ اس کے ذہنی رجحانات کو جاننے کے لیے اس کی تصانیف کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

اپنی عمر کے چھبیسویں سال ۱۰۴۹ ہجری میں دارا نے سفینۃ الاولیا لکھی۔ اس کتاب میں حضرت رسول کریمؐ، ان کے خلفائے راشدین، ائمہ طاہرین اور مختلف اولیائے کرام کے سلسلوں کا تذکرہ ہے۔

دوسری کتاب سکینۃ الاولیا، مشہور صوفی درویش حضرت میاں میر کے حالات پر مشتمل ہے جو کہ دارا کے پیر و مرشد ملا شاہ کے روحانی پیشوا تھے۔ اس کتاب میں تصوف کے مسائل مثلاً سماع اور رویت پر سیر حاصل بحث ہے۔

تیسری کتاب کا نام ہے رسالۂ حق نما۔ یہ روحانی مدارج اور ان تک پہنچنے کے باب میں ہے۔
چوتھی کتاب ہے حسنات العارفین۔ یہ عالم جذب و مستی میں صوفیاء کے ارشادات پر مشتمل ہے۔

مجمع البحرین۔ دارا نے اسے ۴۲ سال کی عمر میں تصنیف کیا۔ ہندو مذہب اور اسلام کو قریب ترلانے اور ان کی جداگانہ عظمت کو سمجھنے کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی لیکن کہا جاتا ہے کہ یہی تصنیف دارا کے خلاف مقدمے کے دوران میں علماء کے سامنے پیش کی گئی۔

سرِ اکبر۔ اپنشدوں کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ۔

بھگوت گیتا۔ فارسی ترجمہ

ان کے علاوہ کچھ متفرق تصنیفات ہیں۔ شعراء کی ایک بیاض، خطوط، دیباچۂ مرقع، رسالۂ معارف وغیرہ۔

رسالۂ معارف میں مشائخ عہد کے نام خطوط ہیں جن میں مسائل تصوف سے متعلق استفسارات ہیں۔

دارا کے حالات زندگی اور اس کی تصانیف سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درویش طبع اور صوفی منش شہزادہ تھا۔ ہندوؤں کی کتب مقدسہ کا اس نے گہرا مطالعہ کیا تھا اور اسے ان سے محبت تھی۔ اس کا یہی صلح کل مسلک اس کی موت کا باعث بنا۔

سرمد جب دلی پہنچا تو دارا سے اس کا قرب ہوا۔ دارا نے اسے ایک خط میں پیر و مرشد لکھا ہے۔ دارا کے خط کا ترجمہ اور اس کا جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دارا بنام سرمد

پیر و مرشد[1]۔ ہر روز میں آپ کی زیارت کا قصد کرتا ہوں لیکن یہ پورا نہیں ہوتا۔ اگر میں واقعی 'میں' ہوں تو میرا شدید ارادہ بامراد کیوں نہیں۔ اگر میں کچھ نہیں تو میرا قصور ہی کیا۔ اگر قتلِ حسینؓ رضائے الٰہی سے ہوا تو یزید بیچ میں کون ہے اگر یہ خدا کی مرضی سے نہیں ہوا تو پھر اس کے

---

[1] معدالشکوہ۔ لائف اینڈ ورکس از بکرماجیت حسرت صفحہ ۱۰۲

کیا معنی ہیں کہ خدا جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور ایسا ہی حکم دیتا ہے۔ پیغمبرِ اعظم کفار کے خلاف لشکر کشی کرتے تھے لیکن اسلام کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ (کیوں)۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ ایک درس تھا۔ جو لوگ اپنی ذات ہی سے کامل ہیں' ان کے لیے درس کی کیا ضرورت ہے۔

سرمد کا جواب

"میرے عزیز دوست

"جو کچھ ہم نے پڑھا بھول گئے سوائے ذکرِ محبوب جسے ہم بار بار کرتے ہیں"

سرمد کے جواب پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

دارا کے قتل کے بعد اورنگ زیب کو دارا کے "پیر و مرشد" کو راستے سے دور کرنے کی سوجھی۔ اعتماد خاں المعروف بہ ملا قوی کو اس کے لیے آمادہ کیا گیا۔ وہ علماء کو بھڑکاتا پھرا علماء میں اتنی جرأت کہاں تھی کہ شاہِ وقت کی مخالفت کرتے۔ ادھر سرمد کی مقبولیت عام ہو رہی تھی۔ لوگ اس مجذوب کے گرد جمع ہوتے اور ایک صوفی کامل کی طرح اس کا احترام کرتے۔

درباری علماء کو جمع کیا گیا۔ انھوں نے سرمد کو کافر قرار دینے کی غرض سے اس پر مندرجۂ ذیل الزام لگائے۔

۱۔ سرمد ننگا رہتا تھا اور یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔

۲۔ سرمد کلمۂ طیبہ پورا نہیں پڑھتا تھا بلکہ صرف لا الہ کہتا تھا۔ اس کا صاف مطلب خدا کی

ہستی سے انکار ہے۔

۳۔ سرمد معراج کا منکر تھا۔ اس ضمن میں اس کی یہ رباعی پیش کی گئی۔

ہر کس کہ سر حقیقتش باور شد ‌‌‌ او پہن تر از سپہر پہناور شد

ملا گوید کہ بر فلک شد احمد ‌‌‌ سرمد گوید فلک باحمد در شد

الزام برہنگی کے جواب میں سرمد نے کہا کہ طریق زندگی یا لباس پر کوئی شرعی پابندی نہیں ہے۔ بڑھاپے میں بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت اشعیا بھی ننگے پھرا کرتے تھے۔ ملا قوی علماء کی عدالت کے صدر تھے اور جب انھوں نے پوچھا کہ داراشکوہ کے بادشاہ بننے کی پیش گوئی درست کیوں نہیں ہوئی تو سرمد نے جواب دیا: شیطان قوی است۔

برہنگی کے جواز میں سرمد کے کلام میں بہت اشارے ہیں۔

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا ‌‌‌ چشمے بدو جام بردہ از دست مرا

او در بغلِ من است و من در طلبش ‌‌‌ دزدے عجبے برہنہ کردست مرا

آن کس کہ ترا تاجِ جہانبانی داد ‌‌‌ مارا ہمہ اسبابِ پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبی دید ‌‌‌ بے عیبان را لباسِ عریانی داد

عجب اتفاق ہے کہ سرمد کے ہمعصر مشہور انگریزی شاعر ملٹن نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

Dishonest shame
Of Natures Works honour dishonourable,

Sin-bred how have ye troubled all mankind,
with shows instead,

Paradise Lost IV 313-316

اس کے علاوہ ایک اور خوبصورت رباعی سرمد نے کہی ہے۔

سرمد مارا بعشق رسوا کردند   سرمست و سراسیمہ و شیدا کردند

عریانیٔ تن بود غبارِ رہِ دوست   آں نیز بہ تیغ از سرِ ما وا کردند

اپنی عریانی پر اسے ناز بھی تھا۔

گشت چہل سال کہ پوشیدمش

کہنہ نہ شد جامۂ عریانیم

دوسرے الزام کے جواب میں اس نے کہا کہ وہ ابھی نفی کی منزل میں ہے اور دیدارِ حق سے محروم۔ اللہ کا دیدار ہونے پر وہ پورا کلمہ پڑھے گا۔ یہ ایک آزاد خیال مجذوب کا نعرۂ مستانہ تھا، جسے ملاؤں نے کفر قرار دیا۔ اس کی آزاد خیالی اس کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎

روباہ بود حرص و ہوا در نظرم

در بیشۂ اندیشہ پلنگم ہر دم

اسکی خدا پرستی اس کے ذیل کے ارشادات سے ظاہر ہے۔

؎ یارب ز کرم بہ بخش تقصیر مرا   مقبول بکن نالۂ شبگیر مرا

ع از معصیتم بیش بود فضل ترا

ع ہر لحظہ خیال فکر وعقبیٰ ہنر است

ع ہر چند کہ از جرم فزودن احسان است

ے آن ذات بجز مصدر مشتق نیست ذاتیست عقید کہ بجز مطلق نیست

ع من جرم خود و لطفِ تو دارم بہ نظر

تیسرا الزام تو بے بنیاد ہے۔ سرمد نے اپنی رباعی میں حضرت محمدؐ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد او پہن تر از سپہر پہنا ور شد
ملّا گوید کہ بر فلک شد احمدؐ سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

اس نے محمدؐ کے لیے کہا ہے۔ او پہن تر از سپہر پہنا ور شد۔ صوفیاء کے نزدیک فلک اور زمین میں کوئی فرق نہیں۔ وحدت الوجود کے قائل ذاتِ حق کا وجود ہر جگہ اور یکساں جانتے ہیں۔ اس سخن گسترانہ رباعی کو فتویٰ دینے والوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ اور سرمد کو واجب القتل ٹھہرایا۔ دار الافتاء کے باب میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

" اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصے میں فقہاء کا قلم ہمیشہ تیغ بے نیام رہا ہے، اور ہزاروں حق پرستوں کا خون ان کے فتووں کا دامن گیر رہا ہے۔ اسلام کی تاریخ کو خواہ کہیں سے پڑھو سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں کہ جب بادشاہ خونریزی پر آتا تھا تو دار الافتاء کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے۔ صوفیاء اور ارباب باطن پر منحصر نہیں، علمائے شریعت میں سے جو بھی نکتہ بیں اسرارِ حقیقت سے قریب ہوئے، فقہاء کے ہاتھوں انھیں مصیبتیں اٹھا نی

پڑیں اور بالآخر سردے کر نجات پائی۔ سرمد بھی اسی نیت کا شہید ہے۔

چوں می رود نظیری خونیں کفن بحشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

صاحب دبستانِ مذاہب نے سرمد کی اس رباعی کو مدح رسولِ عربی کے ضمن میں پیش کیا ہے۔

اے از رُخ تو شگفتہ خاطر گلِ سرخ　　باطن ہمہ خونِ دل و ظاہر گلِ سرخ
زاں دیر آمدی ز یوسف کہ بباغ　　اول گل زرد آمد و آخر گلِ سرخ

جامع مسجد کے سامنے ایک چبوترہ قتل گاہ کے طور پر تیار کیا گیا۔ سرمد قلعے سے قتل گاہ تک والہانہ انداز میں رباعیاں پڑھتا ہوا آیا۔ اس کے چہرے پر ایک جلال تھا۔ لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ بادشاہ کی مرضی بھی یہی تھی کہ عوام سرمد کے انجام کو دیکھیں اور بادشاہِ وقت کی مخالفت سے باز آئیں۔

جلاد نے سرمد کے چہرے پر کپڑا ڈالنے کی کوشش کی لیکن سرمد نے اس سے انکار کیا اور جلاد سے اپنا کام کرنے کو کہا اور روایت ہے کہ یہ شعر پڑھا۔

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم[1]　　دیدم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

---

[1] غنودیم والا شعر سرمد کا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ غزالی مشہدی کا ہے۔ اس کے متعلق ایک حکایت بعض کتابوں میں درج ہے جو میرے نزدیک اختراعی ہے۔ واضح رہے کہ کتاب کو دلچسپ بنانے کی خواہش جتنی عام ہے، حقیقت سے محبت اتنی عام نہیں متعدد شاعروں کے متعلق فارسی تذکروں میں پڑھا گیا ہے کہ قتل کیے جانے کے وقت ان کی زبان سے کیا نکلا (عموماً شعر) حالانکہ جن حالات میں مقتول ہوتے تھے اس کی کوئی صورت ہی نہ تھی کہ کوئی ایسا شخص وہاں موجود ہو جو اسے یاد رکھے اور بعد کو دوسروں سے کہے۔ اسی پر موقوف نہیں۔ میرا خیال ہے کہ فارسی میں اشعار سے متعلق جو حکایات ملتی ہیں۔ ان میں سے کم از کم ۵۰ فیصدی اختراعی ہیں

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد　　من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

غالباً سرمد کا شعر ہے (قاضی عبدالودود)

اورنگ زیب کے میر منشی عاقل خاں رازی نے لکھا ہے کہ قتل سے پہلے سرمد نے یہ شعر پڑھا۔

عریانئ تن بود غبار رہِ دوست　　　آں نیزہ بہ تیغ از سرِ ما وا کردند

ایک حکایت یہ ہے کہ قتل سے پہلے سرمد کے ایک دوست شاہ عبداللہ نے سرمد سے کہا کہ اب بھی جان بچ سکتی ہے، برہنگی کو ترک کر دو اور پورا کلمہ پڑھو۔ سرمد کو موت کا کوئی خوف نہ تھا۔ اس نے اس کے جواب میں صرف یہ شعر پڑھا ؎

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد

من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

سرمد جائے قتل پر ہی دفن ہوا۔ اس کا مزار اسی زمانے میں زیارت گاہ بن گیا تھا۔ آج تک لوگ اس کے مزار پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ والہ داغستانی نے اس کے مزار پر لوگوں کو پھول چڑھاتے خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "منصور ثانی کی قبر پر جو ہری ہری گھاس اُگی ہے وہ کبھی خشک نہیں ہو پاتی۔" ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خیام کی مقبولیت کس پر آشکار نہیں۔ وہ ایک حکیم زمانہ تھا لیکن بہت آزاد خیال۔ اس کی یہ رباعی زبان زدِ عوام ہے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو　　　ہر کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی　　　پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

لیکن سرمد موردِ الزامِ کفر ہونے کے باوجود اللہ سے ہمسری نہیں کرتا بلکہ طالبِ عفو ہے۔

این باعث وحشتگی ام چیست بگو   تا چند به محنت بکشم زیست بگو
هر چند بدم از کرم خویش ببخش   غیر از تو بمن رحم کند کیست بگو

خیام نے خدا کی شان میں بہت کچھ کہا ہے لیکن اسے کسی نے گردن زدنی قرار نہ دیا کیونکہ جو کچھ اس نے کہا محض سخن گسترانہ تھا۔

ابریقِ می مرا شکستی ربی   برمن درِ عیش را بہ بستی ربی
من می خورم و تو میکنی بدمستی   خاکم بدہن مگر کہ مستی ربی

اظہارِ کفر صوفیا کے یہاں عام ملتا ہے۔ شیخ ابو علی سینا[1] سے یہ رباعی منسوب ہے۔

کفرِ چو منی گزاف آسان نہ بود   محکم تر از ایمانِ من ایمان نہ بود
در دہر یکی چو من و آنہم کافر   پس در ہمہ دہر یک مسلمان نہ بود

خیام نے اہلِ دل کو کافر کہنے والوں کے باب میں کہا ہے۔

با این دوسہ نادان کہ چنین می دانند   از جہل کہ دانای جہان ایشانند
خر باش کہ این جماعت از فرطِ خرمی   ہر کہ نہ خرست کافرش میخوانند

گلشنِ راز میں بت پرستی کی توجیہ یوں کی گئی ہے۔

بت اینجا مظہرِ عشق است و وحدت   بود زنار بستن عقدِ خدمت
چو اشیا ہست ہستی را مظاہر   از انجملہ یکے بت باشد آخر
نکو اندیشہ کن اے مردِ عاقل   کہ بت از روئے ہستی نیست باطل
وجود آنجا کہ باشد محض خیر است   اگر شر یست در وے او ز غیر است

---

[1] تاریخ ادبیات ایران ص ۱۱۵۔ ندوۃ المصنفین دہلی ص ۱۳۲

مسلماں گر بدانستی کہ بت چیست بدانستی کہ دیں در بت پرستی ست
وگر شرک زبت آگاہ گشتے کجا در دینِ خود گمراہ گشتے

گلشنِ راز پر ہی موقوف نہیں، اس قسم کے ارشادات صوفیاء کے یہاں عام ملتے ہیں شعراء نے تو جگہ جگہ انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے۔

خسرو کا کہنا ہے۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آرے آرے می کنم از خلقِ عالم کار نیست

یہی بات سرمد نے کہہ دی تو کون سا جرم کیا

سرمد کہ ز جامِ عشق مستش کردند بالا کردند و باز پستش کردند
می خواست خدا پرستی و ہشیاری مستش کردند و بت پرستش کردند

سرمد زہد ریائی کا قائل نہ تھا۔ اس کے خلاف اس نے قدم قدم پہ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ع

از خرقہ بکن کنار صد فتنہ در دست

با خرقہ مشو یار غلط گیر غلط ایں زہد ریا کار غلط گیر غلط
سر رشتۂ مہر یار در دست بیار ایں سبحہ و زنّار غلط گیر غلط

حافظ بھی زاہدانِ ریا کار پر ضرب لگاتا ہے

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

۵ بمی بفروش دلق ما کہ زین بہتر نمی ارزد

بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن　　مرو بہ صومعہ کانجا سیاہ کارانند

محمود شبستری کے ارشادات میں سے ہے۔

خراباتی شدن از خود رہائیست　　خودی کفراست اگر خود پارسائیست

سرمد مجذوب تھا۔ عالم حیرت میں تھا۔ مجذوب جب عالم حیرت میں پہنچتا ہے تو اس پر جذبۂ نفی طاری ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنی سدھ بدھ بھی نہیں رہتی۔ وہ دین کا نہ دنیا کا۔ شیخ عطار نے مثنوی منطق الطیر[1] میں عارف کامل بننے کے لیے سات مقام مقرر کیے ہیں جن میں چھٹا مقام 'مقام حیرت ہے اس کے باب میں مذکور ہے۔

مرد حیراں چوں رسد ایں جایگاہ　　در تحیر ماند و گم کردہ راہ

گم شود در راہِ حیرت محو و مات　　بے خبر از خود بود وز کائنات

ہر کہ زد توحید بر جانش رقم　　جملہ گردد گم ازو او نیز ہم

گر بدو گویند ہستی یا نہ ای　　نیستی گوئی کہ ہستی یا نہ ای

در میانی یا برونی از میاں　　بر کناری یا نہانی یا عیاں

فانئی یا باقئی یا ہر دوئی　　یا نہ ای ہر دو توئی یا نہ توئی

گوید اصلا می ندانم چیز من

وین ندانم ہم ندانم نیز من

اس مقامِ حیرت کے باب میں خواجہ بختیار الدین کاکی کا قول ہے۔

---

[1] منطق الطیر از شیخ فریدالدین عطار مطبوعہ پیرس ۱۸۵۷ء۔ مرتبہ گارساں دتاسی

دانی کہ کجاست کفر و ایمان یکساں بیگانہ و آشنا از انجا ترساں
آنجا حیرت است اندر حیرت با این ہمہ قہر گاہی گاہی احساں

سرمد بے چارہ سیاست کا شکار ہوگیا۔ اُس صوفی صافی طینت کے مقام حیرت کو نظر انداز کرنے والے اپنی اپنی خود غرضیوں میں مبتلا تھے۔ قومی یک جہتی کا یہ علمبردار اگر آج زندہ ہوتا تو لوگ اُس کی پرستش کرتے۔

اُسے کافر قرار دینے والوں نے یہ نہ دیکھا کہ خود اس کا قول ہے۔

سرمد بہ جہاں بسی نکو نام شدی
از مذہب کفر سوئے اسلام شدی

اس کے صلح کل مسلک اور آزاد خیالی نے اُس سے کہلوایا۔

در کعبہ و بت خانہ سنگ او شد و بت او شد
یک جا حجر الاسود یک جا بتِ ہندو شد

بت پرستم کافرم از اہل ایمان نیستم سوئے مسجد می روم اما مسلمان نیستم

سرمد کے کچھ حالات ایک اور تذکرے میں ملتے ہیں وہ ذیل میں درج ہیں۔

تذکرۂ طاہر نصیر آبادی (طبع ایران)

جو اوائل ماہ دوازدہم ہجری میں مکمل ہوا

سعیدای سرمد تخلص گویا کاشیست یہود بود و مسلمان شد طبعش خالی از لطف نیست اما سودائی داشتہ بہند رفتہ مسموع شد کہ کشف عورت کردہ برہنہ میگشت پادشاہ او را طلب داشتہ تکلیف لباس کردہ قبول ننمودہ

مفتیان فتوی بقتلش دادند پادشاه ملا عبدالقوی را که گویا از ماوراء النهر است فرستاد که حال او را معلوم کند همین که میآید با او میگوید که چرا این روش سرمیکنی و برهنه میباشی او میگوید که شیطان قویست واین رباعی را میگوید۔ رباعی

خوش بالائی کرده چنین پست مرا | چشمی بدو جام برده از دست مرا
او در بغل منست و من در طلبش | دزدی عجبی برهنه کرد است مرا

بعدازین شنیدن این رباعی ملا عبدالقوی بخدمت بادشاه آمده تجویز قتل او میکند یکی از حلالخواران مامور میشود که او را بقتل رساند همین که از دور پیدا میشود میگوید که این چه چاره است که دیگر بکار مایکنی و برسر پایے می نشیند که گردنش را میزنند غرضکه بے نشئہ نبود چرا که عاشق پسر راجه شده بقوت جذب محبت او را بطرف خود کشیده چنانکه پدر و مادر و اسباب بسیار را گذاشته باتفاق او خاکسترنشین میشود۔ بعداز قتل سعید را گویا بسهل مدتی او هم فوت شده۔ مشهور است که شاهزاده دارا شکوه تعریف او میکرد شاهجهان فرمود که بیک گز کرباس دهان خلق را میتوان بست شعرش اینست۔

ای گل شوخ دو روزی بحیا باش که سرد | شد جوانی دندانست که بازار کجاست
گرم عتاب چون شود دیده بپوشم از رخش | پرده کشند مردمان چون شود آفتاب گرم
همچو دور افتاده کاخر بیار خود رسد | دست تا در گردن من کرد، تیغش خون گریست
رباعی، تنباکو چیست آفت برگ امید | گلخن به ازان گلو که این دود کشید
از تنباکو نفع توان داشت گمان | از دود اگر خانه توان کرد سفید
رباعی، روزی که قضا حسن ترا می سنجید | ایزد برابر از دئی قدر با خورشید
این بسکه گران بود نجنبید زجا | وان بسکه سبک بود با فلاک رسید

صنہ ۳۱۰ و صنہ ۳۱۱

۱

از جرم فزون یافتہ ام فضل ترا — این شد سببِ معصیتِ بیش مرا
ہر چند گنہ بیش کرم بیش تر است — دیدم ہمہ جا و آزمودم ہمہ را

ہے میرے گناہوں سے ترا فضل سوا — یہ معصیتِ بیش کا باعث بھی ہوا
ہیں میرے گنہ بیش، کرم ان سے ہے بیش — دیکھا ہر جا یہ آزمایا ہر جا

۲

از کارِ جہان عقدہ کشودم ہمہ را — در محنت و اندوہ ربودم ہمہ را
حق دانی و انصاف نہ دیدم زکسی — دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را

مشکل سے ہر ایک کو چھڑایا میں نے — دکھ درد ہر ایک کا مٹایا میں نے
لیکن نظر آیا نہیں انصاف کہیں — دیکھا میں نے یہ آزمایا میں نے

۳

دربادیۂ تجربہ یارب ہمہ جا آفتاد سروکار بہ زشت وزیبا
غیر از تو کسی نہ گشت فریادرسم دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را

طے کر لیا تجربے کا یارب صحرا ہر ایک بھلے بُرے کو جانچا پرکھا
فریاد ترے سوا کسی نے نہ سُنی ہر ایک کو آزما کے بس دیکھ لیا

۴

ای جلوہ گرِ نہان عیان شو بدر آ در فکرِ تجسّیم کہ ہستی تو کجا
خواہم کہ در آغوش وکنارت گیرم تا چند تو در پردہ نمائی خود را

اے پردہ نشیں پردے سے باہر ہو عیاں ڈھونڈیں تجھے کب تک ترا مسکن ہے کہاں
خواہش یہ ہے آغوش میں لے لوں تجھ کو کب تک تو رہے گا مری نظروں سے نہاں

۵

شادی بود از دین و ز دنیا همه را — از هر دو نجات ده که شادیست مرا
آشفتهٔ خود بکن که آنم هوس است — از پردہ برون بیا و خود را بنما

خوش دین سے کوئی، کوئی دنیا پہ فدا — دونوں سے نجات ہو یہ مسلک ہے مرا
شیدا ہوں ترا مجھ کو ہوس ہے تو یہی — پردے سے نکل کر مجھے جلوا تو دکھا

٦

مشهور شدی به دل ربائی همه جا — بی مثل شدی در آشنائی همه جا
من عاشقِ این طورِ توام می بینم — خود را نه نمائی و نمائی همه جا

مشہورِ جہاں ہے دل ربائی تیری — مقبولِ جہاں ہے آشنائی تیری
لیکن میرا دل فدا اس انداز پہ ہے — ہر پردے میں ہے جلوہ نمائی تیری

۷

هر نیک و بدی که هست دیدم همه را   هر خار و گلی که بود چیدم همه را
آمد به نظر عیارِ هر کس کم و بیش   بر سنگِ محک جو زر کشیدم همه را

ہر کافر و دیندار کو دیکھا میں نے   ہر ایک گل و خار کو دیکھا میں نے
ہر ایک میں کچھ نہ کچھ نظر آیا کھوٹ   ہر شخص کے کردار کو دیکھا میں نے

۸

از بادِ صبا خواست دلم بوئی ترا   چشمم ز چمن جست گلِ روئی ترا
آخر نہ ازین دو چار گشتم نہ ازان   اندیشہ نشان داد رہِ کوئی ترا

دل کو تری بو ملی صبا میں پنہاں   گلشن میں ملا آنکھ کو روئے خنداں
لیکن نہ ہوئی تجھ سے ملاقات کہیں   ہاں فکر سے پایا ترے کوچے کا نشاں

۹

کردی تو عَلَم بدلرُبائی خود را ‏ ‏ ہم در فنِ مہر و آشنائی خود را
این دیدہ کہ بیناست تماشائیِ تست ‏ ‏ ہر لحظہ بصد رنگ نمائی خود را

دنیا میں عَلَم ہے دلرُبائی تیری ‏ ‏ مشہور ہے مہر و آشنائی تیری
کیوں دیدۂ بینا نہ تماشائی ہو ‏ ‏ سو رنگ کی ہے جلوہ نمائی تیری

۱۰

ہر جا کہ نیابی تو نشانے ز جفا ‏ ‏ با مہر و محبت گل و بوئی ز وفا
از خلق وز خُلق خود ندانی ہرگز ‏ ‏ آن ہر دو بدست اوست گفتم بخدا

دنیا میں کہاں نہیں نشانات جفا ‏ ‏ گل مہر و محبت کے نہ ہے بوئے وفا
سمجھے گی نہ تیری فطرت اس کے اسباب ‏ ‏ ان باتوں کا مالک ہے فقط ایک خدا

۱۱

یارب زکرم ببخش تقصیر مرا　　مقبول بکن نالۂ شب گیر مرا
ما پر زگناہ ماجرائیست عجیب　　لطفِ تو کند چارۂ تدبیر مرا

بخشش ہے ترا فرض تو تقصیر مرا　　مقبول تو ہو نالۂ شب گیر مرا
حیرت ہے کہ میں تو ہوں سراپا عصیاں　　اس پر بھی ہے تُو چارۂ تدبیر مرا

۱۲

از صحبتِ ہمدمان بہ باغ و صحرا　　ذوقِ سخنی بود و ہوائی مینا
آخر سخنی ماند و عزیزان رفتند　　مینائی فلک فگند او را از پا

احباب سے تھی رونقِ باغ و صحرا　　تھا ذوقِ سخن اور ہوائے مینا
احباب تو اُٹھ گئے رہی یاد ہی یاد　　اس بزم کو آسماں نے تاراج کیا

۱۳

بازآ بازآ ز فکرِ باطل بازآ — از وہم وخیالِ خام اے دل بازآ
خوشنود مشو زفکرِ دنیا ہرگز — نے وصل بماند و نہ واصل بازآ

دنیا کے یہ افکار ہیں باطل بے سود — تیرا یہ خیالِ خام اے دل بے سود
دنیا کے خیالات میں خوشنود نہ ہو — بے کار ہے وصل اور واصل بے سود

۱۴

مرگ است درین بادیہ دنبال ترا — این است مالِ کار از مال ترا
اوّل محنت و آخرش حسرت است — این مال کند ہمیشہ پامال ترا

ہے موت ہی انجام تری عشرت کا — ایسا ہی مآل ہے تری دولت کا
اوّل محنت ہے اور آخر حسرت — یہ مال تو باعث ہے تری نکبت کا

۱۵

گہ مہر و وفا کند گہی ناز و جفا　　ہر لحظہ بصد رنگ نماید خود را
آغوشِ نظر کُشا کہ آید بہ کنار　　یک گام نہ گردد ز تو پیوستہ جُدا

ہے مہر و وفا ہم پہ کبھی ناز و جفا　　ہر لحظہ ہے سو رنگ میں وہ جلوہ نما
آغوشِ نظر کھول۔ لپٹ جا اس سے　　ہوتا نہیں وہ ایک قدم تجھ سے جُدا

۱۶

از معصیتم بیش بود فضل ترا　　ہر لحظہ بجود حساب دارم ہمہ جا
ہر چند کہ سر تا بقدم عصیانم　　از بخششِ تو نیست فزون جرمِ مرا

ہے میرے گناہوں سے ترا فضل سوا　　ہر لحظہ کیا میں نے یہی اندازا
ہر چند گناہوں کا ہوں پتلا لیکن　　افزوں تری بخشش سے نہیں جرم مرا

۱۷

گر متقیم کار بیار است مرا | با سبحه و زنّار چه کار است مرا
این خرقهٔ پشمینه که صد فتنه در وست | بازش نه کشم بدوش عار است مرا

درویش ہوں درویش مجھے یار سے کام | مجھ کو نہیں کچھ سبحہ و زنّار سے کام
اس خرقۂ پشمینہ میں فتنے ہیں نہاں | فتنے سے مجھے غرض نہ عیّار سے کام

۱۸

ہر چند غرور دستگاہ است این جا | بر خود پیچیدن عروج جاہ است این جا
در ساز شکستگی حضورِ دگر است | از سرمہ شدن سنگ نگاہ است این جا

دنیا میں غرورِ مال و دولت ہی بہت | بے چین بشر کو پاسِ حشمت ہی بہت
ہے سازِ شکستہ کی مگر اور ہی شان | اک سرمہ شدہ سنگ کی عظمت ہی بہت

۱۹

خوش بالائی کردہ چنین پست مرا چشمی بدوجام. بُردہ از دست مرا
او در بغلِ من است و من در طلبش دُزدِ عجبی برہنہ کرد ست مرا

موجب مری پستی کا ہے اک خوش بالا مسحُور مجھے دیدۂ مے گوں سے کیا
وہ مری بغل میں ہی مجھے اس کی طلب اک دُزد نے کر دیا ہے مجھ کو ننگا

۲۰

آسودہ دمی ز خود پسندی مطلب زین ہمت پستِ خود بلندی مطلب
سودائی جہان سود ندارد چندان نقصان بہ پذیر سود مندی مطلب

ہے باعثِ رنج خود پسندی کی طلب بے حوصلگی اور بلندی کی طلب
نقصان ہی نقصان ہے اس سودے میں بے سُود ہے اس میں سود مندی کی طلب

۲۱

عمری که شدا است صرف در لہو و لعب — بی پرسش اگر عفو کند نیست عجب
کے زشتیٔ افعال در آرد بہ نظر — آن را کہ کرم بود فزون تر ز غضب

جس عمر کا مقصود رہا لہو و لعب — بے پرسش اسے عفو کرے کیا ہے عجب
اعمالِ زبوں کی اس کو پروا کیا ہے — ہیں جس کی عنایات بہت، کم ہے غضب

۲۲

کے جرمِ من و فضلِ تو آید بحساب — این ہم چو حبابیست کہ ناید بحباب
سر رشتۂ این در کفِ اندیشۂ کیست — بی حد و حساب کے بیاید بحساب

عصیاں کی ہے گنتی نہ کرم کی گنتی — ممکن ہی نہیں کسی سے ایسی گنتی
جو چیز ہو ان گنت اسے کون گنے — بے حد و حساب کی نہ ہوئی گنتی

۲۳

از ساقیٔ کوثر مئی گلفام طلب
در پیری و ضعف جامِ آرام طلب
تا چند گرفتار بہ دنیا باشی
از فضل خدا نجات زین دام طلب

کر ساقیٔ کوثر سے تو اُس مے کی طلب
بخشے تجھے پیری میں جو تسکین وطرب
کب تک تو رہے گا یوں اسیرِ دنیا
بے فضلِ خدا تیری رہائی نہیں اب

۲۴

اے بے خبر از ہستیٔ خود ہمچو کتاب
در جلدِ تو آیاتِ الٰہی بہ حجاب
یعنی ز تو حق پدید و تو از اثرش
آگاہ نئی چو شیشہ از بوئی گلاب

ہستی سے ہے بے خبر تو مانندِ کتاب
آیاتِ الٰہی کا ہے خود تو ہی حجاب
حق تجھ میں ہے تو اس سے نہیں ہو واقف
شیشے کو خبر کہاں کہ ہے بو میں گلاب

۲۵

سرمد تو زخلق هیچ یاری مطلب   از شاخِ برهنه سایه داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع   با عزتِ خویش باش خواری مطلب

سرمد ہے تجھے خلق سے یاری کی طلب   بے برگ شجر سے سایہ داری کی طلب
عزت ہے قناعت سے، طمع سے خواری   عزت چاہے تو کر نہ خواری کی طلب

۲۶

ای نفسِ ستمگار سراپا حسرت   جز شکر ترا نیست هزاران نعمت
قانع نشدی گاه نه گشتی خرسند   دنیا نه بود بقدرِ طولِ املت

اے نفسِ فرومایہ سراپا لعنت   کر شکر کہ ہے شکر سراپا نعمت
قانع نہ ہوا کبھی نہ تو شاد ہوا   دولت نہیں دنیا میں بقدرِ حسرت

۲۷

این خرقۂ پشمینہ کہ زنّار در وست　　مکر است و ریا فتنۂ بسیار در وست
بر دوش مکش دست بکش تا نکشی　　این بارِ ندامت کہ صد آزار در وست

یہ خرقۂ پشمینہ ہے جس میں زنّار　　شر اس میں ہیں اتنے کہ نہیں جن کا شمار
اس کو نہ کبھی زیب بدن کر لے دوست　　ہیں اس میں ندامت کے ہزاروں آزار

۲۸

سر مدجسمت و جانش در دستِ کسی است　　تیر سیت ولی کمانش در دستِ کسی است
می خواست کہ آدم شدہ از دام جہد　　گاوی شد و ریسمانش در دستِ کسی است

سرمد ہے ترا مالکِ جاں اور کوئی　　تو تیر ہے لیکن ہے کماں اور کوئی
تو گائے ہے رسّی ہے کسی اور کے ہاتھ　　تو اسپ ہے جندہ ہے عناں اور کوئی

۲۹

ہر جا کہ گل ایاغ و جوشِ چمن است | او مسکن دل خوش است ما را وطن است
گر بادہ پرست گوئی او را حق است | ور زاہد متقی بگوئی سخن است

جو ساغرِ گل اور چمن کا ہے مقام | اس مسکنِ زیبا ہی میں تیرا ہے قیام
حق ہے جو کہے کوئی مجھے بادہ پرست | سمجھے کوئی پارسا تو ہے اس میں کلام

۳۰

دنیا طلبان را کہ غمِ دینار است | بی مہرئ شان بیکدگر بسیار است
از عقرب و مار ہیچ اندیشہ مکن | زین قوم حذر بکن کہ نیش و خار است

وہ لوگ ہے مرغوب جنھیں دولت و زر | بے مہر ہیں ان لوگوں سے رغبت ہی نہ کر
بچھو ہو کہ سانپ اس سے ڈرنا بے سود | جو نیش ہے جو خار ہے اس قوم سے ڈر

۳۱

زاہد تو بخور بادہ کہ بسیار نکوست — از خرقہ بکن کنار صد فتنہ در دست
بی شبہ حلال است بگوئی تو حرام — کیفیت این ہر کہ بیاید ہمہ اوست

زاہد! مے تازہ میں خوشی کا ہے اثر — یہ خرقہ اتار دے کہ فتنوں کا ہے گھر
کیفیتیں اس میں تو ہمہ اوست کی ہیں — تو اس کو حرام کہہ کے توہین نہ کر

۳۲

اندیشۂ مال وجاہِ دنیا غلط است — این وہم وخیال وفکرِ بی جا غلط است
در خانۂ تن وطن نہ باشد ہرگز — از بہر دو روز این تمنا غلط است

اندیشۂ مال وفکرِ دنیا ہے غلط — یہ شوق غلط یہ فکرِ بے جا ہے غلط
یہ روح بدن میں نہ رہے گی دائم — دو روز کی خاطر یہ تمنا ہے غلط

۳۳

در عالمِ شوق قیل و قالم دگر است — از طورِ سخن بیا که حالم دگر است
سودا زدۀ صورتِ معنی ہستم — فکرم دگر و راہِ خیالم دگر است

ہے شوق میں اندازِ مقال اور مرا — کر طور کی کچھ بات۔ ہے حال اور مرا
میں صورتِ معنی کا تمنائی ہوں — فکر اور مرا حسنِ خیال اور مرا

۳۴

دنیا ز ہوا و حرص بسیار پُر است — ہر جاست دلی در غمِ دینار پُر است
بیمار بسی شربت دینار کم است — این خانۂ ویرانہ ز بیمار پُر است

اس عالمِ زر میں ہیں ہوس کار بہت — دل ایک ہے لیکن غمِ دینار بہت
ہے شربتِ دینار کی مقدار تو کم — لیکن نظر آئے مجھے بیمار بہت

۳۵

ایامِ شباب و شعر و انشا ہنر است — الفت بہ گل و ساقی و مینا ہنر است
پیری چو رسید ترکِ دنیا ہنر است — ہر لحظہ خیال و فکرِ عقبیٰ ہنر است

ایامِ شباب و شعر و انشا ہے ہنر — اس دور میں شغلِ مے و مینا ہے ہنر
لیکن پیری میں ترکِ دنیا ہے ہنر — ہر لمحہ فقط خیالِ عقبیٰ ہے ہنر

۳۶

ہر کس کہ ز می توبہ کند نادان است — انسان نہ توان گفت بگو حیوان است
این سلسلہ جنبانِ غمِ جانان است — ہم آتشِ افسردہ دل و داماں است

جو شخص کہ توبہ کرے وہ ہے ناداں — انساں کہاں اس کو تو کہیے حیواں
افسردہ دلوں کے لیے آگ ہے مَے — اس سے غمِ جاناں نظر آتا ہے جواں

۳۷

آن را کہ ہوس پیشہ بود ناکام است — مرغی کہ پئے دانہ رود در دام است

این مال پُراز ملال بسیار وبال — ہر چند کم او بیش درد و آلام است

جو شخص ہوس پیشہ ہے وہ ہے ناکام — دانے کی ہوس ہی سے ہے طائر تہِ دام

ہے مال تو دراصل ملال اور وبال — کم ہو کہ زیادہ ہے سراسر آلام

۳۸

ہر کس کہ گرفتارِ ہوا و ہوس است — گر سلطنتش دہی نگوید کہ بس است

سر رشتۂ زندگی بسی کوتاہ است — از طولِ امل حذر کہ دام و قفس است

جس شخص کا شیوہ ہے فقط حرص و ہوس — شاہی بھی ملے اس کو، کہے گا نہ وہ بس

سر رشتہ حیات کا بہت ہے کوتاہ — یہ طولِ امل کیا ہے بجز دام و قفس

۳۹

هر کس بہ ہوس باغِ جہان دید وگذشت — خار و گلِ پژمردہ بہم چید وگذشت
این صورتِ ہستی کہ تمامش معنی است — افسوس بر آن کس کہ نہ فہمید وگذشت

کی سیرِ جہاں اور جہاں سے گذرے — کچھ پھول تو کچھ خار چنے اور گئے
یہ صورتِ ہستی تو سراسر حق ہے — افسوس ہے ان پر جو نہ اس کو سمجھے

۴۰

آن را کہ ہوس بیش بود آزار است — از شربتِ دینار دلش بیمار است
از گرسنہ چشمی بجہان سیری نیست — این طائفہ دیدم ہمہ جا بسیار است

جن لوگوں کے سینے ہیں ہوس سے معمور — ہے خواہشِ دنیا سے دل ان کا رنجور
دیکھا نہ حریصوں کو کسی وقت بھی سیر — اس قسم کے لوگوں سے ہے دنیا بھرپور

۴۱

ہر جا کہ غمِ یار بود آرام است — بی این بجہان ہر کہ بود ناکام است
غافل نشوی زیاد و از بادۂ ناب — گر دولتِ جم می طلبی با جام است

ملتا ہے غمِ یار سے آرام جہاں — بے اس کے ہر اک شخص ہے ناکام یہاں
محبوب سے غافل ہو نہ جامِ مے سے — ہے دولتِ جم عطیۂ جام یہاں

۴۲

ہر کس کہ درین زمانہ دارد ہمت — باید کہ نہ گیرد ز کسی جز عبرت
ز آمیزشِ خلق کنجِ عزلت بگزین — وز نیک و بدِ جہان طلب کن وحشت

جس شخص کو بخشی ہے خدا نے ہمت — حاصل وہ کرے اہلِ جہاں سے عبرت
کر عمر بسر گوشۂ تنہائی میں — لازم ہے بد و نیک سے تجھ کو وحشت

۴۳

نفعی بکسی اگر رسائی ہنر است — سود است درین سود بخود بیشتر است
زین گوہرِ نایاب نہ گردی غافل — این بحرِ پُر آشوب جہان درگذر است

ہو تجھ سے بھلا کسی کا، یہ نیک ہے کام — سودا ہے یہ ایسا کہ ہے راحت انجام
اس پند کو تو گوہرِ نایاب سمجھ — دنیا ہے پُر آشوب نہیں اس کو قیام

۴۴

آن شعلہ کہ یاقوتِ دلم را رنگ است — گوہر بہ محیط است و شرر در سنگ است
او در ہمہ دز دست و غافل ہمہ خلق — این معنیٔ رنگین چہ قدر بی رنگ است

جو شعلۂ الفت دلِ پُر رنگ میں ہے — وہ بحر میں گوہر ہے شرر سنگ میں ہے
وہ سب میں ہے لیکن ہیں سب اُس سے غافل — کیا رازِ نہاں عشق کے نیرنگ میں ہے

۴۵

دیدی کہ غم و عیشِ جہان زود گذشت — چیزے کہ در اندیشۂ تو بود گذشت
این یک دو نفس کہ ماند سرمایۂ تو — ہشیار کہ نقصان بکنی سود گذشت

باقی نہیں سلسلے یہ عیش و غم کے — کیا تجھ کو ملامت کے اندیشے سے
رہتے ہیں جو زندگی کے دو چار نفس — ہشیار کہ ان میں نہ خسارا ہو جائے

۴۶

دنیا بکنم طلب کہ کم تر زخس است — بی دولتِ دیدارِ تو این ہم قفس است
خواہانِ وصالم و ہمین است سخن — در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

دنیا کی طلب چھوڑ یہ ہے محض ہوس — بے دولتِ دیدار یہ دنیا ہے قفس
میں تیرے وصال کا ہوں خواہاں ہر دم — عاقل ہو اگر کوئی تو اک حرف ہے بس

۴۷

هر نیک بدی که هست در دستِ خداست　　این معنی پیدا و نهان در همه جاست
باور نه کنی اگر درین حبا بنگر　　این ضعفِ من و قوتِ شیطان زکجاست

ہر نیکی و ہر بدی کا مالک ہے خدا　　یہ قول تو ہر مقام پہ ہے سچّا
یہ ضعف ترا اور یہ ابلیس کا زور　　باور نہیں تجھ کو تو کہاں سے آیا

۴۸

نی سروقدی که رونماید یار است　　نی سیمبری که زر رباید یار است
آن یار گزین که هر چه خواهی بدهد　　یاری که بکارِ تو بیاید یار است

ہر سرو قدِ چہرہ کشا دوست نہیں　　ہر سیم برِ ہوش ربا دوست نہیں
تو دوست بنا اس کو جو آئے ترے کام　　جو کام نہ آئے بخدا دوست نہیں

۴۹

دلؔ اگر دانا بود اندر کنارش یار ہست | چشم اگر بینا بود در ہر طرف دیدار ہست
گوش اگر شنوا شود جز ذکر حق کے بشنود | ور زبان گویا بود در ہر سخن اسرار ہست

دانا ہی سے مخصوص ہے اس کا ملنا | بینا ہی پہ موقوف ہے دیدار اس کا
جز حق کے نہیں سنتا ہے گوش شنوا | ہے محرم اسرار زبانِ گویا

۵۰

تنہا نہ ہمین دیر و حرم خانۂ اوست | این ارض و سما تمام کاشانۂ اوست
عالم ہمہ دیوانۂ افسانۂ اوست | عاقل بود آن کسی کہ دیوانۂ اوست

کعبہ ہے مکاں اس کا نہ گھر بتخانہ | اس کا ہے یہ سب ارض و سما کاشانہ
عالم صرف اس کے نام پر شیدا ہے | عاقل ہے وہی جو اس کا ہے دیوانہ

لہ یہ چار بیتی رباعی کے مروجہ اوزان سے باہر ہے۔

۵۱

صد شکر کہ دلدار ز من خشنود است　　ہر دم بکرم ہر نفسی در جود است
نقصان بمن از مہر و محبت نہ رسید　　سودا کہ دلم کرد تمامش سود است

صد شکر کہ دلدار کا مجھ پر ہے کرم　　ہر وقت عنایات ہیں بخشش ہر دم
ہے شوقِ محبت تو فقط سود ہی سود　　اس شوق میں ہرگز نہیں نقصان کا غم

۵۲

انسان کہ شکم سیری او یک نان است　　از حرص و ہوا شام و سحر نالان است
در بحرِ وجودش بہ نگر طوفان است　　آخر چو حباب یک نفس مہمان است

اک روٹی سے ہوتا ہے شکم سیر انساں　　ہے شام و سحر حرص میں پھر بھی غلطاں
ہے بحرِ وجود اس کا بہت طوفانی　　ہے مثلِ حباب ایک نفس کا مہماں

۵۳

این نفسِ ستمگار بہ بین شیطان است | پیوستہ عیان بود مگو پنہان است
ابلیس خودی چرا بہ ابلیس بدی | در پیشِ خیالات تو او حیران است

یہ نفس ستمگار ہے سچ مچ شیطاں | یہ بات تو ظاہر ہے، نہیں ہے پنہاں
ابلیس ہے خود تو ہی بُرا اُس کو نہ کہہ | وہ تیرے خیالات سے خود ہے حیراں

۵۴

اسرارِ مَی و جامِ مجلس روشن نیست | این راز بہر مردہ دلی گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بی خبری | سر رشتۂ این بدست ہر کودن نیست

اسرارِ مے و جام کا ہے کون حریف | سمجھے گا نہ یہ بات کبھی قلبِ ضعیف
زاہد کو خبر کیا کہ خدا کیا شے ہے | نادان تو سمجھے گا نہ یہ رازِ لطیف

۵۵

دوری نفسی مرا ازو ممکن نیست　　این یک جہتی بہ گفتگو ممکن نیست
او بحر۔ دلم سبوست این حرفِ غلط　　گنجائشِ بحر در سبو ممکن نیست

دم بھر بھی مجھے اس کی جدائی ہو گراں　　اس عشق کو لفظوں میں کرے کون بیاں
وہ بحر ہے دل سبو ہے یہ قول غلط　　گنجائش بحر کی سبو میں ہو کہاں

۵۶

خواہی نکشی رنج و نیابی زحمت　　از مردم روزگار بگزین عزلت
ہر چند کہ بر روئے زمین راحت نیست　　گر ہست ہمین است بدنیا راحت

خواہش ہے اگر تیری، نہ پائے زحمت　　لازم ہے ترے واسطے کنج عزلت
دم بھر بھی نہیں روئے زمیں پہ آرام　　راحت ہے کہیں تو ہے اسی میں راحت

۵۷

این جسم بصد قسم فنا بنیاد است — این شعلۂ خس در نفسی برباد است
از دامِ اجل ترا رہائی نہ بود — صیدی و سروکار تو با صیّاد است

بنیاد نہیں جس کی وہ بنیاد ہے تو — اک شعلۂ خس فانی و برباد ہے تو
کب دامِ اجل سے ہو رہائی تجھ کو — اے صیدِ زبوں بستۂ صیاد ہے تو

۵۸

از بہر دو روز فکرِ دنیا غلط است — دل بستنِ معمورہ و صحرا غلط است
مانندِ نسیم ہر نفس در گذری — این حرص و ہوا و این تمنّا غلط است

دو دن کے لیے خواہشِ دنیا ہے غلط — دل بستگیِ گلشن و صحرا ہے غلط
ہے تیز نفس حیات مانندِ نسیم — یہ حرص غلط ہے یہ تمنّا ہے غلط

۵۹

دنیا طلبان را نہ براحت کاراست — تا آخرِ دم فکرِ زر و دیناراست
این طائفہ را خیالِ مردن نبود — پیوستہ غمِ سیم و زرِ بسیاراست

وارفتۂ دنیا کو تو آرام نہیں — جز فکرِ زر و مال کوئی کام نہیں
مرنے کا خیال اس کو آئے کیوں کر — دم بھر بھی تو وہ فارغِ آلام نہیں

۶۰

از مردم دنیا و ز دنیا وحشت — ہر چند بگیری نہ کف آری راحت
ہنگامِ بہار و ہم خزانش دیدم — در باغِ جہان نیست گلے جز عبرت

دنیا سے تجھے چاہیے ہر دم وحشت — کوشش پہ بھی ملتی نہیں اس میں راحت
دیکھی ہے زمانے کی بہار اور خزاں — اس باغ میں اک گل بھی نہیں جز عبرت

۶۱

ہر چند گل وخار درین باغ خوش است | بے یار دل از باغ نہ از راغ خوش است
چون خونِ دلم لالہ بہ بین در رنگست | این چشم و چراغ نیز با داغ خوش است

ہر چند گل وخار سے ہے زینتِ باغ | بے یار دل افروز ہمہ باغ نہ راغ
گو بدلے میں ہمرنگیٔ خونِ دل ہے | منظورِ نظر پھر بھی ہے اس پھول کا داغ

۶۲

از حد وحساب کارِ عصیان بگذشت | در توبۂ انفعال یاران بگذشت
از شامتِ غفلت نرسیدم بوصال | عمرم ہمہ در دوریٔ جانان بگذشت

گنتی سے ہے باہر مرے عصیان کی لڑی | ہیں اشکِ ندامت مرے ساون کی جھڑی
غفلت سے میسر نہ ہوا مجھ کو وصال | یہ دوریٔ جانان بھی مصیبت ہے بڑی

۶۳

چندان دلِ نادان بغمِ سیم و زر است — کو وقتِ نماز ہم بفکرِ دگر است
در وہم و خیالِ این و آن بیشتر است — از فکرِ مآل کار خود بی خبر است

اتنا دلِ نافہم ہے دیوانۂ زر — ہے وقتِ نماز بھی اُسے فکرِ دگر
سودا اسے ہر وقت ہے این و آں کا — اپنے انجام کی نہیں کچھ بھی خبر

۶۴

ہر چند کہ از جرم فزوں احسان است — دل در غم و اندیشۂ این حیران است
امّا چہ بود مآلِ کاری کہ نشد — در خوف و رجا دیدۂ من گریان است

ہر چند معاصی سے ہے افزوں احساں — دل پھر بھی ہے اندیشہ و غم سے حیراں
انجام خدا جانے مرا کیا ہوگا — ہے آنکھ اسی بیم و رجا میں گریاں

۶۵

از کارِ جہان تمام انکار خوش است — این کار کنی اگر تو بسیار خوش است
خود را بکنار گیر و بگذر ز ہمہ — در عالم تدبیر ہمین کار خوش است

تو دل میں ذرا بھی غمِ ایام نہ کر — تدبیر میں اندیشۂ انجام نہ کر
دنیا سے الگ ہو کے ہی دنیا سے گزر — اس کام میں دم بھر کبھی آرام نہ کر

۶۶

ہر کس بخیالِ اوست حالش خوبست — ہم اوّل کار و ہم مآلش خوبست
بسیار مبند دل بدنیا گفتم — ہر چند کہ ہست اعتدالش خوبست

جس دل میں خدا ہے اس کا حال اچھا ہے — آغاز بہت خوب مآل اچھا ہے
اچھا نہیں اس قدر یہ دنیا کا خیال — جتنا بھی ہو اس میں اعتدال اچھا ہے

۶۷

وارستہ دلم ہمیشہ وارستۂ اوست　　پیوستہ درین باغ برنگِ گل و بوست
لبریزِ محبت است مینائے دلم　　ازکوزہ ہمان برون تراود کہ دروست

ہے اس کا فدائے دلِ آشفتہ نوا　　مانندِ گل اس باغ میں ہے جلوہ نما
آئے گی محبت کی صدا ہی اس سے　　جو کچھ بھی ہے جام میں وہی ٹپکے گا

۶۸

آن ذات برون زگنبدِ ازرق نیست　　ذاتیست مقید کہ بجز مطلق نیست
حق باطل نیز ہست باطل حق نیست　　آن ذات بجز مصدرِ ہر مشتق نیست

باہر نہیں دنیا سے وہ ذاتِ اعلےٰ　　مطلق بھی ہے وہ جس کو مقید دیکھا
حق پردے میں غائب ہو تو باطل نہیں وہ　　مصدر ہے وہی اصل میں ہر مشتق کا

٦٩

نابود شدم بود نمی دانم چیست — اخگر شده ام دود نمی دانم چیست
دل دادم و جان دادم و ایمان دادم — سوداست مگر سود نمی دانم چیست

نابود ہوں معلوم نہیں بود ہے کیا — اخگر ہوں خبر اس کی نہیں دود ہے کیا
دے بیٹھا ہوں اس کو دل و جان و ایماں — اس سودے میں معلوم نہیں سود ہے کیا

٧٠

شد حشر کنون صورِ سرافیل کجاست — طوقِ ادب از بہرِ عزازیل کجاست
از بہرِ خراب کردنِ بیت اللہ — شد فیل نمودار ابابیل کجاست

ہے حشر مگر صورِ سرافیل کہاں — ہے طوقِ ادب بہرِ عزازیل کہاں
کعبے کی تباہیوں کا مقصد لے کر — اک فیل تو آیا ہے ابابیل کہاں

۷۱

دل باز گرفتارِ نگاری شده است — از فکر و غمم لاله عذاری شده است
من پیرو دلم ذوقِ جوانی دارد — هنگامِ خزان جوشِ بهاری شده است

دل پھر سے ہوا میرا گرفتارِ نگار — تڑپانے لگا ہے پھر کوئی لالہ عذار
میں پیر ہوں لیکن ہے جوانی دل میں — ہنگامِ خزاں جوش پہ کیوں کر ہو بہار

۷۲

چیزی که گذشت و رفت یادش ستم است — سود است که سرمایهٔ او رنج و غم است
این عمرِ گرامی بعبث صرف مکن — بیش از نفسی مگیر بسیار کم است

جو بیت گئی اس کا عبث ماتم ہے — اس سودے کا سرمایہ ہی رنج و غم ہے
اس عمرِ گرامی کو نہ کر تُو برباد — بس ایک نفس ہے یہ بہت ہی کم ہے

۷۳

این شهر و دیار و کوه و صحرا همه هیچ
دیدیم تمام زشت و زیبا همه هیچ
خود را بخدا گذار و بگذر زهمه
این خواهش و فکر دین و دنیا همه هیچ

یہ شہر و دیار و کوہ صحرا سب ہیچ
دنیا اور اس کے زشت و زیبا سب ہیچ
سب چھوڑ کے بس ایک خدا کا ہو جا
یہ حرص یہ فکرِ دین و دنیا سب ہیچ

۷۴

اے[1] از رخِ تو شگفتہ خاطر گلِ سرخ
باطن ہمہ خونِ دل و ظاہر گلِ سرخ
زان دیر بر آمدی ز یوسف کہ بباغ
اوّل گل زرد آمد و آخر گلِ سرخ

تیرے رخ سے شگفتہ خاطر گلِ سرخ
باطن میں ہے خونِ دل بظاہر گلِ سرخ
یوسف کے بعد ہی تجھے آنا تھا
پہلے گلِ زرد آتا ہے آخر گلِ سرخ

[1] صاحب دبستانِ مذاہب نے لکھا ہے کہ یہ رباعی نعت میں ہے۔

۷۵

سرمد اگرش وفاست خود می آید — گر آمدنش رواست خود می آید
بے ہودہ چرا در پئے او می گردی — بنشین اگر او خداست خود می آید

سرمد ہے اگر اس میں وفا آئے گا خود — آنا ہے اگر اس کا روا آئے گا خود
بے فائدہ کیوں کرتا ہے تو اس کی تلاش — چل بیٹھ اگر ہے وہ خدا آئے گا خود

۷۶

ایام شباب رفت و شیطان نرسید — بر دامنِ من غبارِ عصیان نرسید
پیری چو رسید معصیت گشت جوان — دردی عجبی رسید و درمان نرسید

گزرا دورِ شباب شیطاں نہ ملا — دامن کے لیے غبارِ عصیاں نہ ملا
پیری میں گناہوں پہ جوانی آئی — وہ درد ملا ہے جس کا درماں نہ ملا

۷۷

سرمد کارِ آن لطف و کرم است — از معصیت و سیاہ کاری چہ غم است
رخشیدنِ برق بین و جوشِ باراں — رحمت چہ فزون غضب چہ بسیار کم است

سرمد ہے شعار اس کا فقط مہر و کرم — اتنا بھی نہ کر سیاہ کاری کا غم
بجلی کا بھی رقص دیکھ، باراں کو بھی دیکھ — لطف اتنا زیادہ ہے غضب اتنا کم

۷۸

راضی دلِ دیوانہ بہ تقدیر نہ شد — فارغ ز خیال و فکرِ تدبیر نہ شد
ایامِ شباب رفت و باقیست ہوس — ما پیر شدیم و آرزو پیر نہ شد

دیوانہ ہے دل، شاکر تقدیر نہیں — کس وقت وہ محوِ فکر و تدبیر نہیں
ایام شباب گزرے باقی ہے ہوس — ہم پیر ہوئے حرص مگر پیر نہیں

۷۹

یاران چہ قدر راہ دو رنگی دارند مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہائے شطرنج در دل ہمہ فکرِ خانہ جنگی دارند

یارانِ طریقت کی دو رنگی دیکھو اسلام میں یہ دینِ فرنگی دیکھو
صف بند ہیں شطرنج کے مہروں کی طرح اس پر بھی یہ فکرِ خانہ جنگی دیکھو

۸۰

قصاب پسر کہ با منش کینہ بود خواہم دلِ او صاف چو آئینہ بود
گر دست بمن دہد بگیرم پایش در پشت بمن دہد بہ از سینہ بود

قصاب کے بیٹے کو ہے مجھ سے کینا دل اس کا بھی ہو صاف بنے آئینا
وہ ہاتھ بڑھائے تو پکڑ لوں میں پیر وہ پیٹھ دکھائے تو سمجھ لوں سینا

۸۱

ہر کس کہ ثباتِ دہر سنجیدہ بود — فصلِ گل و ایّامِ خزان دیدہ بود
مائل نہ شود برنگ و بوئے گل و مُل — نادیدہ شمارد آنچہ خود دیدہ بود

جس شخص پہ ظاہر ہے کہ فانی ہے جہاں — جس شخص نے دیکھی ہو بہار اور خزاں
وہ مائلِ رنگ و بو نہیں ہوسکتا — نادیدہ ہی سمجھے گا وہ گلزارِ جہاں

۸۲

در ہر گنہی فزود بخشایش وجود — شرمندہ باین طور ز کردار نمود
خضرِ رہ من گناہ شدہ آخر کار — این فضل و کرم چہ بُود این جرم چہ بود

ہر جرم پہ بخشش سے گرانبار کیا — اس طور سے شرمندۂ کردار ہوا
عصیاں نے بتایا مجھے رہ بر ہو کر — کیا فضل و کرم ہیں کیا جرم و خطا

۸۳

دنیا ہمگی اگر بکام تو بود — دین سکۂ مہر و مہ بنام تو بود
آخر ز جہان پئے بقا باید رفت — گر قیصر و فغفور غلام تو بود

دنیا سے جو حاصل ہوں تجھے سب انعام — ہو سکۂ مہر و مہ پہ بھی تیرا نام
اک دن تو یہاں سے کوچ کرنا ہو گا — ہوں قیصر و کسریٰ بھی اگر تیرے غلام

۸۴

ہر کس کہ بہ لطف و کرمت دیدہ کشود — قہر و غضب غیر نہ داند موجود
مردودِ تو ہیچ جا نہ گردد مقبول — مقبول تو ہیچ گہ نہ گردد مردود

جس پر بھی ہوئی وقف تری بخشش و جود — اس کے لیے ہر قہر و غضب ہے نابود
مردود ترا نہیں کہیں بھی مقبول — مقبول ترا نہیں کہیں بھی مردود

۸۵

خواہی کہ ز فیضت کرم وجود بود　　در ہر دو جہان راحت وبہبود بود
سودائے خیالش ہمہ سرمایۂ سود　　مہرش بگزین کہ عاقبت سود بود

خواہش ہے اگر کہ مائلِ جود رہے　　ہر حال میں راحت رہے بہبود رہے
تو اس کے تصور کو بنا لے پونجی　　سودا ہے یہی جس سے تجھے سود رہے

۸۶

عزلت بجہان راحتِ جان یافتہ شد　　بر روئے زمین گنجِ نہان یافتہ شد
این گوہرِ نایاب کہ ہم بے قدر است　　در بحرِ پر آشوب جہان یافتہ شد

عزلت ہے اگر تجھ کو جہاں سے حاصل　　راحت ہے اسی گنجِ نہاں سے حاصل
یہ گوہرِ نایاب اسی بحر میں ہے　　ہوتی ہے یہی چیز یہاں سے حاصل

— ۸۷ —

یک لحظہ اگر دلِ حزینت بدہند　　آسودگیٔ روئ زمینت بدہند
گر مہرِ خداست نقش بر خاتمِ دل　　عالم ہمہ در زیرِ نگینت بدہند

مل جائے جو دم بھر کو تجھے قلبِ حزیں　　حاصل رہے آسودگیٔ روئے زمیں
ہے دل کی انگوٹھی پہ اگر مُہرِ خدا　　ہو سارا جہان تیرے ہی زیرِ نگیں

— ۸۸ —

در دہر عدو مثالِ غفلت نہ بود　　خواری بہ ترا ز خواہش رفعت نہ بود
ہشیار دمِ پیری شو کاخر وقت　　حاصل دگرت بجز ندامت نہ بود

دشمن ترا کوئی نہیں غفلت کے سوا　　یہ خواہش رفعت نہیں ذلّت کے سوا
ہشیار ہو پیری میں کہ اس منزل پہ　　ملتا نہیں کچھ شرم و ندامت کے سوا

۸۹

غمگین نشوی گر دلِ ریشت بدهند　　خشنود مشو که پیش پیشت بدهند
گر شکر باین دولت سرمد بکنی　　بیشت بدهند از همه بیشت بدهند

غم گیں نہ ہو تجھ کو جو دل ریش ملے　　خوش ہو نہ اگر راحتِ غم کیش ملے
اس دولتِ سرمد کا جو ہو شکر گذار　　پھر بیش ملے بیش ملے بیش ملے

۹۰

سرمد گلۂ یار نکو شد که نشد　　لب بیهده گفتار نکو شد که نشد
منت کشِ دهر می شوی آخر کار　　کاری که ز تو کار نکو شد که نشد

محبوب کا شکوہ نہ ہوا خوب ہوا　　شکوے کو دہن وا نہ ہوا خوب ہوا
بے کار تو منت کشِ دنیا ہوتا　　جو کام ہے تیرا نہ ہوا خوب ہوا

۹۱

بنگر کہ عزیزان ہمہ در خاک شدند　　در صید گہِ فنا بفتراک شدند
آخر ہمہ را خاک نشین باید شد　　گیرم کہ برفعت ہمہ افلاک شدند

جتنے بھی تھے دوست سب تہِ خاک آئے　　صیّاد فنا سے نہ وہ بچنے پائے
ہونا ہے بہر حال اسے خاک نشیں　　جو اوج کی حرص میں فلک تک جائے

۹۲

آن کس کہ شراب مے خورد مے گذرد　　وان کس کہ کباب مے خورد مے گذرد
سرمد کہ بکاسۂ گدائی نان را　　ترکردہ بآب مے خورد مے گذرد

جو پی لے شراب اس کے بھی دن گذریں گے　　جو کھائے کباب اس کے بھی دن گذریں گے
جو بھیک کے ٹکڑے کے لیے اے سرمد　　ہو خانہ خراب اس کے بھی دن گذریں گے

۹۳

ایزد بترازوئ قدر با خورشید		چون جنس نکوئی رخت می سنجید
این بسکه گران بود نه جنبید زجا		وان بسکه سبک بود بافلاک رسید

خورشید ادھر اور ادھر چہرہ ترا		خالق نے ترازوئے قدر میں تولا
بھاری تھا ترا حسن زمیں گیر رہا		خورشید سبک تر تھا فلک پر پہنچا

۹۴

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند		سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمری باید کہ یار آید بہ کنار		این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

سرمد غم عشق بوالہوس کو نہ دیا		سوز دل پروانہ مگس کو نہ دیا
اک عمر گزرنے ہی پہ ملتا ہے وہ دوست		یہ وہ ہے شرف جو خاروخس کو نہ دیا

۹۵

ہر جا کہ روی مہر و وفا یار تو باد　　آرام و فراغت ہمہ جا یار تو باد

از نامہ و پیغام فراموش مکن　　یاد آوریم بکن خدا یار تو باد

جائے بھی سفر میں تو وفا ساتھ رہے　　آرام و سکوں صبح و مسا ساتھ رہے

غافل نہ کبھی نامہ و پیغام سے ہو　　کر یاد ہمیں فضلِ خدا ساتھ رہے

۹۶

بے فکر و خیالِ دوست راحت نہ بود　　اندیشۂ مال و جاہ و دولت نہ بود

سر رشتۂ جان و دل بدلبر بسپار　　با دولتِ پایدار دورت نہ بود

ہمدم کے تصور سے تو معذور نہ ہو　　دیوانۂ دولت نہ ہو مغرور نہ ہو

دلبر کے سپرد کر دے اپنے دل و جاں　　اس دولت پایدار سے دور نہ ہو

۹۷

دنیا مطلب دشمنِ جان باید شد　　دل خستۂ این بارگران باید شد

اندیشۂ سنجیدن این درکارست　　میزانِ تامل بہ جہان باید شد

دنیا کی طلب چھوڑ یہ ہے دشمنِ جاں　　دب جائے گا دل اٹھا کے یہ بارگراں

اس بات کو تولنا ہے لازم تجھ کو　　تو ہاتھ میں لے ہوش و خرد کی میزاں

۹۸

ایامِ بہار متقی جام کشد　　ہنگامِ خزان خمار این نام کشد

مے نوش کہ صیاد فلک می گردد　　ہر روز درین فکر کہ در دام کشد

کیوں زہد ریائی تجھے بدنام کرے　　لازم ہے کہ تو شغلِ مے و جام کرے

اے زاہدِ کم ظرف فلک کی گردش　　اس فکر میں ہے تجھ کو تہِ دام کرے

۹۹

افسوس کہ کنہش بخیالم نہ رسید　　اندیشہ درین بادیہ بسیار دوید
بر روئ خیالِ خام حیران شدہ ام　　بر پردۂ عنکبوت صورت کہ کشید

پہنچی نہیں اس کے راز تک میری نظر　　اس دشت میں دن رات کیا میں نے سفر
حیران ہوں میں صورتِ انسانی سے　　باریک سے جالے پہ بنائی کیوں کر

۱۰۰

ہر دل کہ بدامِ غم او شاد بود　　از ہر دو جہان فارغ و آزاد بود
دیدم ہمہ جا صورت معنی است یکی　　این آئینہ ہر جاست خدا داد بود

جس دل کو ہے غم اس کا وہ دل شاد رہا　　دنیا کے ہر اک رنج سے آزاد رہا
ہر ایک کے باطن میں ہے تصویر اس کی　　آئینہ خدا داد خود آباد رہا

۱۰۱

این مردم دنیا کہ گرفتارِ غم اند — دیوانہ بسی دیدم و ہشیار کم اند
از بہرِ دو روز عمر از شامتِ نفس — در حرص و ہوا اسیر و بدخواہم اند

یہ اہلِ جہاں سب ہیں گرفتارِ الم — دیوانے بہت ان میں ہیں ہشیار ہیں کم
ہے عمر دو روزہ پہ غضب شامتِ نفس — پھر حرص و ہوس ستم ہے بالائے ستم

۱۰۲

دنیا بکسی روئی فراغت نہ نمود — سوداست چنین خیال بیہودہ چہ سود
امروز چنین ہست سوئی دامنِ تو — تا بود چنین بود چنین خواہد بود

آرام نہیں دہر کے آب و گل میں — کیوں نفع کا رکھتا ہے تو سودا دل میں
جو حال میں ہے تھی وہی ماضی میں خلش — کچھ اور سوا ہو گی یہ مستقبل میں

۱۰۳

ہر چند کہ صد دوست بمن دشمن شد   از دوستیِ یکی دلم ایمن شد
وحدت بگزیدم و ز کثرت رستم   آخر من از و شدم او از من شد

ہر چند کہ سو دوست ہوئے ہیں دشمن   اک دوست کے فیضان سے دل ہے ایمن
وہ میرا ہوا اور ہوا میں اس کا   کثرت کے عوض لگ گئی وحدت کی لگن

۱۰۴

دیدم بسی کہ سوز و حسرت بردند   صد داغِ حسد بخود ز عالم خوردند
از بہر دو روز عمر از دستِ ہوس   دل را بغم و درد بہم افشردند

لاکھوں ہیں کہ حسرت میں جیے جاتے ہیں   سو داغِ حسد دل پہ لیے جاتے ہیں
اس عمرِ دو روزہ میں ہوس کی خاطر   بے دل دلِ پُر غم کو کیے جاتے ہیں

۱۰۵

این بے خردان کہ از خدا بے خبر اند   از بہر زر و سیم بہم کینہ ور اند
بر دوستیٔ اہلِ جہان تکیہ مکن   از بہر دو روز دشمن یک دگر اند

دولت کے لیے کرتے ہیں جو کینہ وری   اللہ سے غافل ہیں خرد سے ہیں بری
تو دوستیٔ اہل زمانہ پہ نہ جا   بہتر ہے کہ چھوڑ دے یہ آشفتہ سری

۱۰۶

این مردمِ دنیا ہمہ بد خواہ اند   یارانِ نکو کار چہ بسیار کم اند
خوش وقتیِ دل بہ بوالہوس بسیار است   آن ہا کہ عزیز اند گرفتارِ غم اند

بدخواہ مرے اہلِ جہاں ہیں سب ہیں   یارانِ نکو کار نہایت کم ہیں
جو اہلِ ہوس ہیں وہ تو خوش وقت ہیں سب   دنیا میں جو اچھے ہیں اسیرِ غم ہیں

۱۰۷

ہر کس پئے نانی بجہان دوست بود ۔ یک دوست ندیدیم زجان دوست بود
چون سگ زپئے لقمہ بہرِ در بد وند ۔ این است نشان کہ نامِ شان دوست بود

روٹی کے لیے بندۂ الفت سب ہیں ۔ جو اصل میں ہیں دوست وہ ملتے کب ہیں
لقمے کے لیے پھرتے ہیں کتے کی طرح ۔ گو کہنے کو یہ لوگ وفا مشرب ہیں

۱۰۸

طولِ امل عمر بآخر نہ رسید ۔ دیوانہ دلم عاقبتِ کار نہ دید
شبہا بخیالِ خوابِ غفلت بگذشت ۔ اکنون چہ کنم کہ صبح صادق بدمید

ہوتا ہی نہیں ختم کہیں طولِ اَمل ۔ سوچا نہ کبھی دل نے کہ کیا ہوگا کل
اب بھی کچھ سوچ صبحِ پیری آئی ۔ راتوں میں تو جاری رہا غفلت کا عمل

۱۱۳

جز بادۂ شوقِ دوست عشرت نہ بود — بے دُرد کشی نشۂ وحدت نہ بود
مے خانۂ عالم کہ پُر از دردِ سر است — خالی زخمار و رنج و محنت نہ بود

جز بادۂ شوق کوئی عشرت ہی نہیں — بے دُرد کشی نشۂ وحدت ہی نہیں
میخانۂ عالم ہے سراپا غم و رنج — راحت ہی نہیں اس میں مسرت ہی نہیں

۱۱۴

ابنائے زمان بہ یک دگر دل تنگ اند — پیوستہ بہ خود چو مختلف آہنگ اند
قانونِ وفا و مہر برداشتہ اند — دایم بمقامِ آشتی در جنگ اند

ابنائے زمانہ تو ہیں دل تنگ بہت — ساز اُن کے ہیں سب مختلف آہنگ بہت
ہیں مہر و محبت سے سراسر غافل — ہے صلح تو کم سلسلۂ جنگ بہت

۱۱۵

یاری بگزین کہ بے وفائی نہ کند — دل خستہ ترا در آشنائی نہ کند
پیوستہ در آغوش و کنارت گیرد — ہرگز ز تو یک گام جدائی نہ کند

وہ دوست بنا جو بے وفائی نہ کرے — جو تجھ کو ستا کے آشنائی نہ کرے
آغوشِ محبت ہی میں رکھے تجھ کو — ہمدم رہے اقدامِ جدائی نہ کرے

۱۱۶

این قوم کہ در دوستیٔ سیم و زر اند — غافل ز خدا و دشمنِ یک دگر اند
ہر چند نصیبِ ہمہ پیوستہ جداست — در بخششِ حق بیک دگر کینہ ور اند

وہ لوگ کہ دولت کی جنھیں خواہش ہے — اللہ سے غافل ہیں بہم رنجش ہے
ہر چند مقدر ہے جدا ان سب کا — جلتے ہیں اگر حق کی کہیں بخشش ہے

١٠٩

گاہی کہ دلم حسابِ کردار کند — چندین غم و اندوہ بخود یار کند
بیش از نفسی نہ دیدم این کار کند — کاری کہ ندامت دہد انکار کند

کرتا ہے کبھی دل جو حسابِ کردار — ہوتا ہے اُسے بارِ گنہ سے آزار
جس کام سے ہوتی ہے ندامت اتنی — اس کام سے کرتا نہیں مطلق انکار

١١٠

دل در پئی لیلی صفتی مجنون شد — در عالم غربتم وطن ہامون شد
در پیری و ضعف متّقی گشت جوان — ہنگامِ خزان جوشِ بہار افزون شد

دل ہے کسی لیلائے حسیں کا مجنوں — پاتا ہے تو پاتا ہے یہ غربت میں سکوں
زاہد یہ بڑھاپے میں جوانی آئی — کیا جوشِ بہار ہے خزاں میں افزوں

۱۱۱

آن کس کہ ترا تاجِ جہانبانی داد — مارا ہمہ اسبابِ پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبی دید — بے عیبان را لباسِ عریانی داد

کرتا ہے عنایت جو تجھے سلطانی — کرتا ہے غمِ دہر ہمیں ارزانی
جو عیب پُر ہیں انھیں دیتا ہے لباس — بے عیبوں کو دیتا ہے فقط عریانی

۱۱۲

غیر از تو مرا یار و نگاری نہ بود — دل را ہوسِ باغ و بہاری نہ بود
پیوستہ خیال و وہم اندیشہ بشوی — جز مہر و مہ رُوئے تو کاری نہ بود

اک تیرے سوا کچھ نہیں مطلوب مجھے — گلشن کی بہاریں نہیں محبوب مجھے
بے کار ہیں ہر وقت کے یہ وہم و خیال — جلوہ ترے حسن کا ہے مرغوب مجھے

۱۲۱

اے نفسِ ستمگار چہا خواہی کرد　　از خلقِ خدا باز جدا خواہی کرد
پیوستہ سرِ جنگ و خصومت داری　　گاہی بغلط صلح بما خواہی کرد

اے نفسِ ستم گار کرے گا تو کیا　　کیا خلقِ خدا سے پھر جدا کر دے گا
ہر وقت تجھے جنوں عداوت ہی کا ہے　　بھولے سے کبھی صلح کے میدان میں آ

۱۲۲

در مالِ جہان مآل ہرگز نہ بود　　این خواب و خیالِ مال ہرگز نہ بود
از وہم و خیالِ خام خوش دل نہ شوی　　بیش از الم و وبال ہرگز نہ بود

دنیا کی یہ دولت ہے سراسر فانی　　یہ ایک سراب ہے نہیں ہے پانی
اس وہم و خیال کا نہیں کچھ حاصل　　یہ وہم کی دنیا تو ہے غم کی بانی

۱۲۳

هرکس بخیال او هم آغوش بود　　دیوانه نماید همه سرهوش بود
کیفیت این نشه بکس ظاهر نیست　　این باده نهان همه درجوش بود

جو تجھ سے تصور میں ہم آغوش رہا　　ہر وقت وہ فرزانہ و باہوش رہا
اس کیف کا عالم ہے نرالا سب سے　　یہ بادہ نہاں ہو کے بھی سرجوش رہا

۱۲۴

از منصبِ عشق سرفرازم کردند　　وز منّتِ خلق بے نیازم کردند
چون شمع درین بزم گدازم کردند　　وز سوختگی محرمِ رازم کردند

جب عشق کے منصب سے سرافراز کیا　　آزادیٔ روح کا بھی در باز کیا
بخشا مجھے سوزِ شمع گھلنے کے لیے　　اس ڈھنگ سے مجھ کو محرمِ راز کیا

۱۱۷

ہشیار بود ہر کہ گلِ جام کشد　　خود را ز غم و محنت ایّام کشد
مے نوش کہ صیّاد فلک مے گردد　　آخر ہمہ را ز حیلہ در دام کشد

ہشیار وہی ہے جو پیئے بادہ و جام　　غم سے ہو جسے کام نہ آلام سے کام
مے پی کہ ہے صیّادِ فلک گردش میں　　ہر ایک کو لے آئے گا ظالم تہِ دام

۱۱۸

آنی کہ غمِ تو رنگ را می شکند　　خوئی تو صفِ پلنگ را می شکند
دل سختیٔ تو حریص جان سختیٔ ماست　　آنجا کہ سنگ سنگ را می شکند

اُڑتا ہے ترے عشق میں ہر ایک کا رنگ　　ڈرتے ہیں ترے نام سے خونخوار پلنگ
ہے سخت دلی کو سخت جانی کی طلب　　یہ سچ ہے کہ توڑے گا فقط سنگ کو سنگ

۱۱۹

در مسلکِ عشق جز نکو را نکشند	لاغر صفتانِ زشت خو را نکشند
تو عاشقِ صادقی ز کشتن مگریز	مردار بود هر آنکه او را نکشند

ہوتے ہیں شہید جو ہیں ابرار یہاں	پوچھے نہیں جاتے ہیں بد اطوار یہاں
تو عاشقِ صادق ہے تو خنجر سے نہ ڈر	مردار پہ چلتی نہیں تلوار یہاں

۱۲۰

آن روز کہ جا زیرِ زمین خواہد بود	از لطفِ تو یارب بہ ازین خواہد بود
بر روئے زمین ہست حلاوت مشکل	در زیرِ زمین اگر چنین خواہد بود

اک روز ہمیں زیرِ زمیں سونا ہے	ہے لطفِ خدا جس میں یہی کونا ہے
بڑھ جائے گی زندوں کی مصیبت کچھ اور	مرنے پہ یہی حال اگر ہونا ہے

۱۲۵

ہر چند کہ عصیانِ مرا می داند　　برخوانِ کرم ہر نفسی می خواند
در خوف و رجا بسی تامل کردم　　بیش از ہمہ مائل بہ کرم می ماند

گو میرے گناہوں سے خبردار ہے وہ　　اس پر بھی کرم کے لیے تیار ہے وہ
چنانچہ ہے اسے خوف و رجا میں بھی بہت　　اوروں سے زیادہ مرا غمخوار ہے وہ

۱۲۶

ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد　　او پہن تر از سپہر پہناور شد
مُلّا گوید کہ بر فلک شد احمدؐ　　سرمد گوید فلک باحمدؐ در شد

جس شخص نے دیکھ لی حقیقت کی جھلک　　ہیچ اس کی نگاہوں میں ہے پہنائے فلک
افلاک پہ احمدؐ گئے مُلّا نے کہا　　سرمد نے کہا آیا فلک احمدؐ تک

۱۲۷

سرمد کہ ز جام عشق مستش کردند | بالا کردند و باز پستش کردند
می خواست خدا پرستی و ہشیاری | مستش کردند و بت پرستش کردند

سرمد کو مے عشق کی مستی بخشی | رفعت بخشی پھر اس نے پستی بخشی
مقصد تھا خدا پرستی و ہشیاری | لیکن مستی و بت پرستی بخشی

۱۲۸

بگذر ز خودی کہ دین قرینت گردد | سر دفتر اعمال ہمینت گردد
در ہر دو جہان سکۂ نامت بزنند | عالم ہمہ در زیر نگینت گردد

کر ترک خودی کو اور ہو دیں سے قریں | کوئی بھی عمل اس سے پسندیدہ نہیں
سکہ ترے نام کا چلے گا ہر سو | ہو جائے گا اک جہاں ترے زیر نگیں

۱۲۹

یاران سخنی است اگر گوش کنید — تا دست رسد ساغرِ می نوش کنید
از پہلوئے جامِ جم بدولت برسید — این حرف مبادا کہ فراموش کنید

اس بات کو کانوں سے ہم آغوش کرو — جب تک بھی ملے ساغرِ مے نوش کرو
جمشید نے جام ہی سے دولت پائی — دیکھو یہ حقیقت نہ فراموش کرو

۱۳۰

این مردمِ دنیا ز خدا بے خبر اند — ہر شام و سحر در طلبِ سیم و زر اند
از پہلوئی ہمد گر جگر ریش تر اند — ہر چند کہ چون بادِ صبا در گزر اند

ہیں اہلِ جہاں بے خبر رازِ خدا — ہے شام و سحر غم انھیں سیم و زر کا
رکتے ہی نہیں اُن کے لڑائی جھگڑے — ہر چند گذر جائیں گے سب مثلِ صبا

۱۳۱

یارب بکسی مرا رسائی نہ بود　　اُمیدِ وفا و آشنائی نہ بود
در دائرۂ تجربہ پابند شدم　　غیر از در رحمتت رہائی نہ بود

یارب نہ کسی تک ہو رسائی میری　　محدود ہو رسمِ آشنائی میری
ہوں دائرۂ تجربہ میں قید مگر　　ہوگی تری رحمت سے رہائی میری

۱۳۲

ہر کس ز خدا دولت و دین مے طلبد　　یا سیم بری ماہ جبین مے طلبد
بی چارہ دلم نہ آن نہ این مے طلبد　　خواہانِ وصال است و ہمین مے طلبد

خالق سے کوئی دولت و دیں مانگتا ہے　　یا اس سے کوئی ماہ جبیں مانگتا ہے
مجھ کو مگر اس کی ہے نہ اُس کی خواہش　　جز وصل کے دل کچھ بھی نہیں مانگتا ہے

۱۳۳

آن کیست کہ او زہد و ریا نشناسد　　در مکر و دغا خدا چو ما نشناسد
گفتی کہ مخور بادہ چو من زاہد شو　　این را بکسی گو کہ ترا نشناسد

عالم میں ہیں سب زہد و ریا سے واقف　　خالق ہی نہیں مکر و دغا سے واقف
کیوں کہتا ہے ترکِ مے کی بات اے زاہد　　ہے کون نہیں تیری خطا سے واقف

۱۳۴

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد　　یک کار ازین دو کار مے باید کرد
یا تن برضائی دوست مے باید داد　　یا جان برہش نثار مے باید کرد

شکووں سے بہت جان نہ ہلکان کرو　　دو کام ہیں ایک کا تو سامان کرو
یا تن کو کرو نذرِ رضائے محبوب　　یا راہِ خدا میں جان قربان کرو

۱۳۵

تا نیست نہ گردی رہِ ہستت نہ دہند — این مرتبہ با ہمتِ پستت نہ دہند

چون شمع قرارِ سوختن تا نہ دہی — سررشتۂ روشنی بدستت نہ دہند

جو نیست نہیں ہے وہ کبھی ہست نہیں — یہ درجہ رہینِ ہمتِ پست نہیں

جب تک نہ جلے گا شمعِ سوزاں کی طرح — باطن کی ضیا بھی تری ہم دست نہیں

۱۳۶

سرمد مارا بعشق رسوا کردند — سرمست و سراسیمہ و شیدا کردند

عریانیٔ تن بود غبار رہ دوست — آن نیز بہ تیغ از سرما وا کردند

سرمد ہمیں کرتی ہے محبت رسوا — سرمست و سراسیمہ و شیدا بھی کیا

عریانیِ جسم تھی غبارِ رہِ دوست — تلوار نے اس کو بھی نہ باقی چھوڑا

۱۳۷

خود را بکن از مہرِ زر و سیم کنار — تا ماہ رُخی سیم بر آید بہ کنار
سر رشتۂ قسمت بہ کفِ تو خود نیست — آن را کہ خدا داد با و کینہ مدار

خود کو زر و سیم کی ہوس سے رکھ دُور — مل جائے گا اک سیم برِ شوخ ضرور
سر رشتۂ قسمت ہے ترے ہاتھ میں کب — دے جس کو خُدا اس سے نہ ہرگز ہو نفور

۱۳۸

ہر گاہ بہ بینی ز کسی عیب و ہنر — عیب و ہنر خویش در آور بہ نظر
این است ہنر بہتر ازین نیست دگر — خود را بنگر بعیب مردم منگر

دیکھے جو کسی کے تو عیب و ہنر — خود اپنے ہی اعمال پہ ڈال ایک نظر
یہ ایسا ہنر ہے کہ نہیں اس کا جواب — دیکھ اپنے کو غیروں کی خطاؤں سے گزر

۱۳۹

سرپا شد و پائی سر مرا در رہِ یار — من بے سر و پا شدم تو معذورم دار
ہشیار بسر چگونہ پوشد پاپوش — دیوانہ بہ سر چگونہ پیچد دستار

چلتا رہا میں سر کے بل اے ربِّ کبار — ہے عشق کی راہ میں یہی مرا شعار
ہشیار پہنتا نہیں جوتی سر میں — دیوانہ باندھتا نہیں سر پہ دستار

۱۴۰

در بحرِ وجود از حبابی کم تر — موجی کہ درین بحر فتد ہست خطر
آئینہ بہ کف دیگر و یکدم بہ نگر — عکسی تو درین آب بمانی چہ قدر

اے بحرِ وجود کے حباب کم تر — تیرے لیے ہر موج میں ہے خوف و خطر
آئینے میں خود دیکھ ذرا عکس اپنا — پائے گا نہ کچھ قرار اس میں دم بھر

۱۴۱

از وہم و خیال و فکرِ دنیا بگذر　　چون بادِ صبا ز باغ و صحرا بگذر
دیوانہ مشو برنگ و بوئے گُل و مُل　　ہشیار بشو ازین ہوا ہا بگذر

تو وہم و خیال و فکرِ دنیا سے گزر　　مانندِ صبا گلشن و صحرا سے گزر
بُوئے گُل و مُل کا تو نہ ہو دیوانہ　　ہشیار ہو اس جوشِ تمنّا سے گزر

۱۴۲

اے دوست مرا بعلم و حکمت بہ نگر　　در مہر و وفا و در محبت بہ نگر
من صاحبِ معنیم و صوتِ تعظیم　　در من چو کتاب ہر دو صورت بہ نگر

اے دوست مرے علم کو حکمت کو دیکھ　　تو میری وفا میری محبت کو دیکھ
میں صاحبِ معنی ہوں میں صوتِ تعظیم　　مانندِ کتاب ہر دو صورت کو دیکھ

۱۴۳

شرمندۂ کردارِ خودم شام و سحر من محرمِ این کارم و کس نیست دگر
غافل ہم ازین لطف باین عصیانی جرم خود و ہم فضلِ تو دارم به نظر

شرمندۂ کردار ہوں میں شام و سحر اوروں کو نہیں میری ندامت کی خبر
ہے کثرتِ عصیاں پہ بھی اُمیدِ کرم دونوں پہ جمی رہتی ہے ہر وقت نظر

۱۴۴

اے زاہد خود فروش ہرگز مغرور باید نشوی کہ تا نگردی رنجور
گویند ترا زاہد و ہستی فاسق برعکس نہند نامِ زنگی کافور

ہرگز نہ ہو اے زاہدِ خود بیں مغرور ڈر ہے کہ نہ ہو جائے سراسر رنجور
تو نام کا زاہد ہے مگر ہے فاسق برعکس نہند نام زنگی کافور

۱۴۵

عصیانِ من احسان تو نایدبشمار   بی حد و حساب کی بیاید بشمار
گر پیشِ خود این حسابِ صد سال کنم   نہ فضلِ تو نہ جرم من آید بشمار

ہے جرم و کرم دونوں کی گنتی دشوار   بے حد و حساب کا کرے کون شمار
سو سال بھی گنتا رہوں ان دونوں کو   ان کا نہ حساب ہو سکے گا زنہار

۱۴۶

از مردم دنیا بخدا گیر کنار   تا دل بکشد عروسِ راحت بہ کنار
سر رشتۂ اختلاط از دست بدہ   سرمایۂ آرام و فراغت بہ کف آر

دنیا میں اگر گوشۂ عزلت مِل جائے   لازم ہے تجھے عروسِ راحت مِل جائے
جب تک ہے اس اختلاط کا شوق تجھے   ممکن نہیں آرام و فراغت مِل جائے

۱۴۷

سررشتۂ اختیار با یار گذار
خود را زغم و محنت بے ہودہ برآر

این عمرِ گرامی کہ تمامی ہوس است
با یار بسر بہ بر بہ غفلت مسپار

خالق ہی ترا دوست ہی تو دوست کا ہو
بے ہودہ نہ کر رنج نہ بے ہودہ رو

یہ عمرِ گرامی ہے فقط حرص و ہوا
طاعت میں گزار اور غفلت میں نہ کھو

۱۴۸

دل را بہ خیالِ یار خوشنود بدار
سررشتۂ این دولتِ سرمد بکف آر

گنج است کہ رنجش نہ بود آخر کار
سوداست کہ سودش بود افزون ز شمار

رکھ اس کے تصور سے تو دل کو خوشنود
اس دولتِ سرمد میں ہی تیری بہبود

یہ گنج ہے ایسا کہ نہیں اس میں رنج
اس سودے میں اندازے سے باہر ہی سود

۱۴۹

یارب بجرم مرا ز گرداب برآر   از بحرِ گناہ کشتیم گیر کنار
جرم من و احسانِ تو بی حد و حساب   این طرفہ حساب است کہ ناید بشمار

یارب مجھے گردابِ معاصی سے نکال   ڈوبے نہ بھنور میں مری کشتی کو سنبھال
ہرچند گنہ میرے ہیں بے حد و حساب   لیکن تری رحمت کو بھی حاصل ہے کمال

۱۵۰

ممکن نہ بوَد کہ یار آید بکنار   خود را ز خیالِ خام و اندیشہ برآر
ہر چیز کہ غیر اوست در سینۂ تست   بسیار حجابیست میانِ تو و یار

پائے گا نہ تو اس کو نہ کر بات بہت   بے کار نہ ہو محوِ خیالات بہت
ہے الفت ماسواہی تیرے دل میں   تجھ سے تو ابھی ہے دورئ ذات بہت

۱۵۱

دِل از غمِ عشق جان شود آخر کار — سر رشتہ این عمرِ ابد را بکف آر
خواہی کہ نصیب تو شود بوس و کُنار — زنہار ازو مگیر یک لحظہ کنار

ہوتا ہے غمِ عشق سے دل زندہ ضرور — یہ عمرِ ابد پانے کا ہے اک دستور
اے زندہ دل وحسرتیٔ بوس و کنار — دم بھر بھی نہ کر اس کی جُدائی منظور

۱۵۲

یارب چہ کنم گذشت جرمم ز شمار — کشتیٔ دل خستہ ز گرداب برآر
در بحرِ خجالت و ندامت غرقم — فضلِ تو کند چارہ بگیرد بکنار

یارب میرے عصیاں کا نہیں کوئی شمار — ہے کشتیِ دل ایک، تو گرداب ہزار
دل بحرِ خجالت و ندامت میں ہے غرق — ہو فضل اگر تیرا تو لگ جاؤں پار

۱۵۳

از ماہ رخان اگر نگیری تو کنار — لذت نہ بری بیشتر از بوس و کنار
این سیم بران شیفتۂ سیم و زر اند — نقدِ دل و جان بدست ایشان مسپار

جب تک ہے تجھے ماہ جبینوں سے پیار — کچھ لطف نہ دیں گے تجھے یہ بوس و کنار
دولت کے فدائی ہیں حسینانِ جہاں — نقدِ دل و جاں اُن کو نہ دے تو زنہار

۱۵۴

جرمِ من و فضلِ یار افزون ز شمار — این ہم چو حسابیست کہ من دانم و یار
چشمِ کرمش عاشقِ حسن گنہ است — زنہار ز کردارِ بد اندیشہ مدار

ہے جرم فزوں اور کرم اس سے فزوں — وہ اس کو سمجھ رہا ہے یا میں سمجھوں
ہے اس کا کرم حسنِ گنہ کا عاشق — کیوں موجبِ اندیشہ ہوں اعمالِ زبوں

۱۵۵

هر جا که شود ساقیٔ گلفام دوچار — شکرانهٔ این نمازِ اوّل بگذار
غافل نشوی ز نشهٔ عجز و نیاز — هشیار که آخر نکشی رنجِ خمار

مل جائے تجھے جو ساقیِ لالہ عذار — جھک سجدے میں شکرانۂ آداب گزار
تو عجز و نیاز کا نشہ ترک نہ کر — آخر کو اُٹھائے نہ کہیں رنجِ خمار

۱۵۶

چیزی که درو عیب بود نیست هنر — آمیزشِ خلق است بگیرش کمتر
بسیاریٔ اختلاطِ مردم رنج است — گفتم بتو هر چند که کمتر بهتر

سو بات کی اک بات ہے پیشِ نظر — رکھ اہلِ زمانہ سے تعلق کم تر
ابنائے زمانہ سے بہت میل نہ رکھ — جتنا بھی یہ ربط کم ہو اتنا بہتر

۱۵۷

چون معنی و لفظ ما و او را بنگر   چون چشم و نگہ جدا و یک جا بنگر
یکدم نہ کسی جدا نیابی ہرگز   مانندِ گل و بو ست بہر جا بنگر

وابستہ ہیں اس سے لفظ و معنی کی طرح   یعنی نگہ و دیدۂ بینا کی طرح
ظاہر کی جدائی یہ جدائی سمجھو   ہم ایک ہیں بو و گلِ زیبا کی طرح

۱۵۸

من جرمِ خود و لطف تو دارم بہ نظر   پیوستہ ازین ہر دو حسابست خبر
از من چہ شد چہ می کند احسانت   میزانِ تامّل شدہ ام شام و سحر

ہے اپنے گنہ پر اور رحمت پہ نظر   دونوں کے حسابات کی ہے مجھ کو خبر
عصیاں سے زیادہ ہے کرم مجھ پہ ترا   ان دونوں کو تولتا ہوں میں شام و سحر

۱۵۹

دلِ خوش نشوی ز وصلِ دنیا ہرگز　　ما بہر نداریم ز آنہا ہرگز
جز ساقی و جام نیست غمخوار کسی　　از دست مدہ گردنِ مینا ہرگز

کر دل کو نہ محو غم دنیا ہردم　　اس سے تو فقط رنج ملے گا ہردم
غمخوار نہیں کوئی بجز ساقی و جام　　رکھ ہاتھ میں تو گردنِ مینا ہردم

۱۶۰

چون نقشِ نگیں در پیٔ نامی تو ہنوز　　جان میکنی و در پیٔ کامی تو ہنوز
از خرمنِ عمر خوشۂ توشہ بگیر　　ہنگامِ درو رسید و خامی تو ہنوز

تو مثلِ نگیں ہے بندۂ نام ابھی　　مرتا ہے مگر پھر بھی ہے ناکام ابھی
لے عمر کے خرمن سے عمل کا توشہ　　پکنے کے ہیں دن تو ہے مگر خام ابھی

۱۶۱

از بوالہوسان کام نیابی ہرگز   این طائفہ آرام نیابی ہرگز
صد سال اگر جان بکنی، ہمچو نگین   بدنام شوی نام نیابی ہرگز

یہ اہلِ ہوس تجھے نہ دیں گے خوش کام   ان سے نہ ملے گا تجھ کو ہرگز آرام
سو سال اگر مثلِ نگیں گھستا رہے   لے نام کے طالب تو رہے گا بدنام

۱۶۲

فارغ نشدی زخود پسندی ہرگز   آگہ نشدی زسود مندی ہرگز
خواہی در جہان یک طرف اغب شبے   غیر از طرفی طرف نہ بندی ہرگز

کی ترک نہ تو نے خود پسندی ہرگز   دیکھا نہ جمالِ سود مندی ہرگز
رفعت کا ہے خواہاں تو فقط ایک کا ہو   جز اس کے نہ پائے گا بلندی ہرگز

۱۶۳

جز فضلِ خدا کار نہ دارم ہرگز　　اندیشۂ کردار نہ دارم ہرگز
او داند و عصیانِ من و مغفرتش　　من کار باین کار نہ دارم ہرگز

جز فضلِ خدا یار نہیں رکھتا ہوں　　اندیشۂ کردار نہیں رکھتا ہوں
کیا میرے گنہ اور ہے کیا اسکا کرم　　میں اس سے سروکار نہیں رکھتا ہوں

۱۶۴

ای دل ز ہوا و ہوس از بہر دو روز　　خود را و مرا ز آتشِ جانسوز مسوز
ہنگامِ جوانی شد و پیری آمد　　این آتشِ افسردہ بدامن افروز

ہاں اے دلِ شوریدہ ہوس سے باز آ　　اس آگ میں جل جل کے تو مجھ کو نہ جلا
گزرا ہے شباب اور پیری آئی　　خاموش ہے جو آگ نہ اس کو بھڑکا

۱۶۵

دل شاد مشو ز دہرِ فانی ہرگز　　گر شاہی وگر گدا نمانی ہرگز
باید کہ درین دور ز غافل نشوی　　یک دم ز خیالِ یارِ جانی ہرگز

رکھے گا نہ خوش جہانِ فانی ہرگز　　یہ عمر نہیں ہے جاودانی ہرگز
لازم ہے یہی بات کہ تیرے دل سے　　نکلے نہ خیالِ یارِ جانی ہرگز

۱۶۶

دنیا بمرادِ خویشتن خواہی وبس　　عقبیٰ تو نہ کردی ز خداوند ہوس
چو نیست نہ دنیا و نہ عقبیٰ بدہند　　افسوس ندامت ز جہان باید وبس

دنیا ہی کی ہر وقت ہوس کی تُو نے　　عقبیٰ نہ خداوند سے مانگی تُو نے
حاصل دنیا ہوئی نہ عقبیٰ تجھ کو　　افسوس ندامت ہی اُٹھائی تُو نے

١٦٧

زاہد بخدا نیست ترا بہرہ ز ہوش   از زہد و ریا توبہ کن و بادہ بنوش
لبریز حقیقت است آئینہ و جام   ہم صورت و معنی ست در جوش و خروش

اے زاہدِ خود بیں تجھے مطلق نہیں ہوش   یہ زہد و ریا چھوڑ کے ہو جامے نوش
لبریز حقیقت سے ہیں آئینہ و جام   ظاہر بھی ہے باطن بھی یہاں جلوہ فروش

١٦٨

اے دل ز ہوا و ہوس آزار مکش   ایں بارِ گران بدوش زنہار مکش
عمرت نبود بقدر طولِ املت   از بہرِ دو روز رنج بسیار مکش

ہے حرص اک آزار، نہ آزار اُٹھا   اے دل نہ یہ اندوہِ گراں بار اُٹھا
ہے عمر تو کم اور تمنائیں بہت   دو دن کے لیے رنج نہ زنہار اُٹھا

۱۶۹

زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش || از آتشِ عشق اوست این دیگ بجوش
ہشیار شو و بہ بین کہ خم خانۂ دل || از بادۂ عشق کیست ہست در جوش و خروش

زاہد نہ مرے سامنے ہو پند فروش || ہے عشق کی آتش سے مرا دل پُر جوش
کچھ ہوش بھی کر دیکھ کہ میرے دل میں || ہے بادۂ عشق کا بہت جوش و خروش

۱۷۰

اے یار دریں میکدہ بے یار مباش || بے ساقئ گلعذار زنہار مباش
این جامِ جہان نما بہر کس ندہند || غافل تو ازین دولتِ بیدار مباش

اس میکدے میں دُور نہ ہو یار سے تُو || بے رُخ نہ ہو ساقیِ طرحدار سے تُو
یہ جامِ جہاں نما نہیں سب کے لیے || غافل نہ ہو اس دولتِ بیدار سے تُو

۱۷۱

صہبائے خیالِ یار پیوستہ بنوش — از بہر دو روز دین بدنیا مفروش
این آتشِ خواہش کہ تو افروختۂ — طوفان بشود اگر نہ گردد خاموش

ہو مستِ خیالِ یار ہو جائے نوش — دنیا کی ہوس میں ہو نہ ایمان فروش
یہ آتشِ خواہش جو ہوئی ہے روشن — بن جائے گی طوفاں جو نہ ہوگی خاموش

۱۷۲

با خرقہ مشو یار غلط گیر غلط — این زہدِ زیان کار غلط گیر غلط
سر رشتۂ مہر یار در دست بیار — این سبحہ و زُنّار غلط گیر غلط

ظاہر کا یہ کردار غلط صاف غلط — یہ زہدِ زیاں کار غلط صاف غلط
ہاتھوں سے نہ چھوڑ رشتۂ عشقِ خدا — یہ سبحہ و زُنّار غلط صاف غلط

۱۷۳

دنیا نشود آخرِ دم با تو رفیق — در راهِ خدا کوش رفیق است شفیق
خواہی کہ بسر منزل دلدار رسی — گفتم بہ تو اے دوست ہمین است طریق

دنیا دمِ آخر کبھی ہو گی نہ رفیق — اک یادِ خدا راہِ خدا میں ہے شفیق
تو پوچھتا ہے منزلِ دلدار کا راز — میں کہتا ہوں اس کا ہے یہی ایک طریق

۱۷۴

خواہی نرسد پائی تو ہرگز بر سنگ — بگذر ز خودی مکن درین راہ درنگ
پیوستہ جدائی بکن از خواہشِ دل — یا نفسِ ستمگارۂ خود باش بجنگ

خواہش ہے اگر کہ زیست تجھ پر نہ ہو تنگ — کر ترکِ خودی اور نہ کر اس میں درنگ
بیگانہ ہی رہ خواہشِ دل سے ہر دم — ہو نفسِ ستمگار سے آمادۂ جنگ

۱۷۵

اندیشۂ تدبیر تو پا بست بہ سنگ
در بیشۂ اندیشہ نہان است پلنگ
تقدیر قوی بدان و تدبیر ضعیف
این قوت و ضعف را میندا ز بجنگ

تدبیر کے وسوسے ہیں پابستۂ سنگ
اس دشت میں ہیں مقیم خونخوار پلنگ
تقدیر قوی ہے اور تدبیر ضعیف
اس قوت و ضعف کو نہ کر مائلِ جنگ

۱۷۶

دیوانگیٔ دلم بود عقلِ کمال
آشوبِ محبت است بیرون زخیال
گنجائشِ بحر در سبو ممکن نیست
ہر چند کہ گویند خیال است محال

دیوانگیٔ دل ہے مرا زعمِ کمال
آشوبِ محبت میں ہے باطل یہ خیال
ممکن ہے سبو میں کبھی گنجائشِ بحر
کہنے کو کہے جائیں مگر ہے یہ محال

۱۷۷

خواہم دلِ پژمردہ شود تازہ چو گل   جان نغمہ سرا بود برنگِ بلبل
ایامِ خزان جوشِ بہاری بزنم   با لالہ رخی نوش کنم ساغرِ مل

خواہش ہے کہ دل میں بھی ہو رعنائی گل   ہو نغمہ سرا جان بھی مثلِ بلبل
ایامِ خزاں میں بھی ملے لطفِ بہار   بیٹھوں میں حسینوں میں پیوں ساغرِ مل

۱۷۸

این رشتۂ طولِ امل از دل بگسل   تا در دو جہان کُنی فراغت حاصل
این گلشنِ عمر آن قدر نیست کہ ہست   در باغِ خیال بوئی از غنچۂ دل

یہ طول امل چھوڑ بھی دے اے غافل   آرام اسی ترک سے ہو گا حاصل
وسعت تری عمر میں تو اتنی بھی نہیں   جتنی ہو تصور میں بوئے غنچۂ دل

۱۷۹

این مالِ جہان تمام رنجست و وبال — اندیشہ بکن بہ بین کہ وہم است خیال
کاریکہ از اول بودش رنج و ملال — مالست ز محنتش وبال است مآل

یہ دولتِ دنیا تو سراسر ہے وبال — تو غور کرے اس پہ تو ہے وہم و خیال
آغاز ہی جس کام کا ہو رنج و ملال — دولت ہی سہی نیک نہیں اس کا مآل

۱۸۰

آن را کہ بود بہرۂ از عقل و کمال — بیرون رود از دائرۂ فکرِ محال
در گوشۂ میخانہ تماشا بکند — شمع است یکی ہزار فانوسِ خیال

وہ شخص کہ حاصل ہے جسے عقل و کمال — کرتا نہیں مطلق وہ غم و فکرِ محال
میخانے کے گوشے میں وہ یہ دیکھتا ہے — ہے شمع تو ایک لاکھ فانوس خیال

١٨١

این سہل تمناست کہ در موسمِ گل   او برخورد و کشتم بہ سرِ موسمِ گل

ہرگاہ شود دوچار پندار بہار   گر فصلِ خزان است دگر موسمِ گل

شیدائیِ شاہد ہو کہ شیدائے بہار   ہو چہرۂ محبوب کہ سیمائے بہار

موسم ہو بہار کا کہ ہو فصلِ خزاں   ہر حال میں ہوتی ہے تمنّائے بہار

١٨٢

در فصلِ خزان توبہ شکستن مشکل   با ساقی و می عہد بہ بستن مشکل

ہنگامِ خزان بہار آمد بہ کنار   زین دردِ شکست است رستن مشکل

پت جھڑ میں ہے تقوے سے کنارا مشکل   ہے ساقی و مے سے بھی مدارا مشکل

لیکن ہو خزاں اور ہو پہلو میں بہار   رہ کر پابند ہے گزارا مشکل

۱۸۳

از عاقبتِ کار چو گشتم غافل — شُد عمر باندوہ و غم کاہشِ دل
پیوستہ بخود ہمین حکایت دارم — زین عمر گرانمایہ چہ کردی حاصل

انجام سے کیوں رہا میں اتنا غافل — کیوں ساتھ رہی ہے عمر بھر کاہشِ دل
ہر وقت یہی خیال ہے پیشِ نظر — اس عمرِ گراں مایہ کا ہے کیا حاصل

۱۸۴

افسوس در اندیشہ و در فکر و خیال — سرمایۂ عمر شد بہ غفلت پامال
از فکرِ مآلِ کار بی فکر شدم — ہر فکر کہ کردیم خیالست محال

افسوس کہ دل میں ہے یہی فکر و خیال — غفلت میں ہوئی عمر گرامی پامال
انجام کی فکر میں نے دم بھر بھی نہ کی — جو کچھ بھی کیا خیال، تھا امرِ محال

۱۸۵

بانفسِ ستم گار بہ جنگم ہر دم — در بحرِ وجودِ خود نہنگم ہر دم
روباہ بود حرص و ہوا در نظرم — در بیشۂ اندیشہ پلنگم ہر دم

دن رات رہی نفسِ ستم گار سے جنگ — ہوں اپنی ہی ہستی کے سمندر میں نہنگ
ہیں حرص و ہوا میری نظر میں روباہ — میں دشتِ خیالات میں ہوں ایک پلنگ

۱۸۶

من معنئ احسان و کرم فہمیدم — میزانِ تامّل شدم وسنجیدم
چشمِ کرمش عاشقِ حسنِ گنہ است — آنجا سخنی نیست مکرّر دیدم

احسان و کرم تیرا ہے مجھ پہ ہر دم — سوچا ہے اسے غور سے میں نے پیہم
گنجائشِ شک نہیں ذرا بھی اس میں — عاشق ہے گناہوں کی تری چشم کرم

۱۸۷

تا کی بدل اندیشۂ اعمال کنم	غمگین شدم و خیالِ احوال کنم
بر فضل کنم تکیہ و اندیشہ چرا	از ماضی و مستقبل و از حال کنم

اعمال کا ڈر دور کر اپنے دل سے	غمگیں نہ ہو راہ میں غمِ منزل سے
ہو چشمِ کرم اس کی تو کیا حال کا ڈر	کیا خوف تجھے ماضی و مستقبل سے

۱۸۸

در دائرۂ خیال او پابندم	صد شکر بیادش ہمہ دم خرسندم
از دامِ ہوا و ہوسِ دین رستم	این بارِ گران ز دوشِ دل افگندم

خود اپنے خیالات کا پابند ہوں میں	صد شکر تری یاد سے خرسند ہوں میں
رکھی نہیں دل میں دین و دنیا کی ہوس	اس بوجھ کو پھینک کر تنومند ہوں میں

۱۸۹

سرمد چو طلسم را کہ در وا کردم　　در شام دریچۂ سحر وا کردم
ہر چند کہ خواب را ز سر وا کردم　　دیدم ہمہ خواب تا نظر وا کردم

وا کر کے طلسم کو جو یک دم دیکھا　　ظلمات میں تنویر کا عالم دیکھا
جتنی بھی میسّر ہوئی بیداریٔ دل　　اتنا ہی اسے خوابِ مجسّم دیکھا

۱۹۰

یارب تو عطا کُن ز قناعت گنجم　　عمریست کہ از حرص و ہوا در رنجم
دین را نہ توان کرد بہ دُنیا سودا　　ہر لحظہ بہ خود سود و زیان می سنجم

یارب مجھے بخش دے قناعت کا گنج　　ہے حرص کا حاصل تو فقط رنج ہی رنج
دنیا کے عوض دین کا سودا ہے محال　　ہے آنکھ مری سود نظر نقصاں سنج

۱۹۱

خود را ہمہ تن حرص و ہوس یافتہ ام ہر چند کم از حباب و خس یافتہ ام
این نفسِ ستمگار کہ پُر از شور است در بحرِ وجود یک نفس یافتہ ام

کچھ بھی نہیں ہستی مری جز حرص و ہوس میں بلبلا پانی کا ہوں یا ریشۂ خس
یہ نفس ستم گار ہے پُر شور بہت ہستی کے سمندر میں یہی چیز ہے بس

۱۹۲

آن شوخ بمن نظر نہ دارد چہ کنم آہِ دلِ من اثر نہ دارد چہ کنم
با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند از حالِ دلم خبر نہ دارد چہ کنم

رکھتا نہیں وہ شوخ ذرا مجھ پہ نظر آہِ دلِ سوزاں میں بھی دیکھا نہ اثر
ہر چند وہ رہتا ہے ہمیشہ دل میں افسوس مرے دل کی نہیں اس کو خبر

۱۹۳

چیزی کہ گہی بہ کار ناید ما ایم ۔۔۔ آن نخل کزو بار نہ آید ما ایم
کردیم حساب وپیش خود سنجیدیم ۔۔۔ آن ذرّہ کہ در شمار ناید ما ایم

جو چیز ہے بے کار سراسر ہم ہیں ۔۔۔ جو نخل ہے بے بار سراسر ہم ہیں
جس ذرّے کو ہستی پہ رہا ناز بہت ۔۔۔ وہ راندۂ بازار سراسر ہم ہیں

۱۹۴

سلطانِ خودم منت سلطان نہ کشم ۔۔۔ از بہر دونان منتِ دُونان نہ کشم
نفسِ من سگ است ومن سگ بانم ۔۔۔ از بہر سگی منّت سگبان نہ کشم

سلطان ہوں خود منتِ سلطاں کیسی ۔۔۔ ٹکڑوں کے لیے منتِ دُوناں کیسی
سگ ہے یہ مرا نفس تو سگ بان ہوں میں ۔۔۔ اک سگ کے لیے منتِ سگباں کیسی

۱۹۵

گرد وائۂ دشت و باغ گوئی ہستم | گرشیفتۂ ایاغ گوئی ہستم
گہ طالبِ دین و گاہ دنیا طلبم | سرگشتۂ این سراغ گوئی ہستم

وارفتۂ باغ ہوں یہ بالکل سچ ہے | سرمستِ ایاغ ہوں یہ بالکل سچ ہے
طالب ہوں کبھی دین کبھی دنیا کا | سرگرم سراغ ہوں یہ بالکل سچ ہے

۱۹۶

دیوانۂ رنگینئ یار دگرم | حیرت زدۂ نقش و نگارِ دگرم
عالم ہمہ در فکر و خیال دگر است | من در غم و اندیشۂ کارِ دگرم

دنیا سے الگ مرکزِ الفت ہے کچھ اور | جو نقش ہوا موجبِ حیرت ہے کچھ اور
اربابِ ہوس کو ہے کوئی اور ہی فکر | مجھ کو غم و اندیشہ و حسرت ہے کچھ اور

۱۹۷

از اشکِ جگر تمام دریا شده ام　　آشفتہ و دیوانۂ صحرا شده ام
از صحبتِ ہمدمان، بوحدت قسم است　　تنہا شده ام رفیقِ عنقا شده ام

آنسو ہیں رواں اتنے کہ دریا ہوں میں　　آشفتہ و دیوانۂ صحرا ہوں میں
ہمدم نہیں کوئی تری وحدت کی قسم　　عنقا کا رفیق ہوں وہ تنہا ہوں میں

۱۹۸

این جوشِ حباب از قدیم است قدیم　　این نقشِ سراب از قدیم است قدیم
لب تشنۂ طرحِ نو ست این کہنہ رباط　　این خانہ خراب از قدیم است قدیم

یہ جوشِ حباب اتنا ہے کہنہ کہ نہ پوچھ　　یہ نقشِ سراب اتنا ہے کہنہ کہ نہ پوچھ
ہے سخت ضرورت اسے طرحِ نو کی　　یہ خانہ خراب اتنا ہے کہنہ کہ نہ پوچھ

۱۹۹

هر لحظه گرفتار بصد تقصیرم — از خواهش دل شام و سحر دلگیرم
خواهم که ازین دام رهائی به برم — تقدیر اگر نیست درین تدبیرم

اک دام ہے یہ کثرتِ تقصیر مری — ہے خواہش دل سے طبع دلگیر مری
جی میں ہے کہ اس دام سے ہو جاؤں رہا — قسمت میں نہیں تو کیا ہے تدبیر مری

۲۰۰

آشفتۂ آن زلفِ گرہ گیر شدم — تدبیر نہ این بود و ز تقدیر شدم
در حلقۂ آن زلف اسیرم کردند — از شومیٔ عقل پا بہ زنجیر شدم

وہ زلفِ پریشاں جو گلو گیر ہوئی — تدبیر کی دشمن مری تقدیر ہوئی
دل اُس میں کچھ اس طرح گرفتار ہوا — گویا وہ مرے پاؤں کی زنجیر ہوئی

۲۰۱

در زیرِ فلک عیش نہ کردم یک دم　　شد عمر گرامی زکف از درد و الم
در دولتِ دنیا دوطرف نقصانست　　بسیاری او رنج وکمی مایۂ غم

دنیا میں کبھی عیش نہ پایا یک دم　　دیکھے ہیں تمام عمر بس درد والم
ہے دولت دنیا میں دوطرفہ نقصاں　　بیشی میں بھی غم اور کمی میں بھی ہے غم

۲۰۲

از کردۂ خویش منفعل بسیارم　　عمریست کہ پیوستہ درین آزارم
چیزی کہ نباید بشود از من شد　　بر فضل نظر بکن نہ بر کردارم

ہوں اپنے کیے پر میں بہت شرمندہ　　آزار ہے جب تک بھی یہاں ہوں زندہ
کردار تو ہرگز نہیں پایندہ مرے　　بہتر ہے کہ ہو فضل ترا پایندہ

۲۰۳

افسوس کہ از خواہشِ دل مردودم　　در راہِ غرور نفس خود پیمودم
چون پیر شدم قبولِ دنیا کردم　　این بارِ گران چرا بخود افزودم

آرام ہوس میں کچھ نہ پایا میں نے　　مغرور بہت دل کو بنایا میں نے
جب پیر ہوا قبول دنیا کر لی　　کیوں بارِ گراں اتنا بڑھایا میں نے

۲۰۴

من تخمِ ہوس کاشتہ ام غمگینم　　صد رنگ گلِ داغ از و می چینم
طوفان بشود اگر نہ گردد خاموش　　این آتش خواہش کہ بخود می بینم

میں تخمِ ہوس بو کے ہوا ہوں نالاں　　داغوں سے بھرا ہوا ہے دل کا داماں
شعلوں کو بجھانا ہے نہایت لازم　　یہ آتشِ حرص ہے بنے گی طوفاں

۲۰۵

در معصیتم جوان بظاہر پیرم　　عمریست کہ پابند باین زنجیرم
امیدِ نجات است زیک فضل ہزار　　ہر چند گرفتار بصد تقصیرم

عصیاں میں جواں ہوں میں ظاہر ہوں پیر　　مدت سے ہے پاؤں میں گنہ کی زنجیر
تھوڑا سا کرم پھر بھی ہے کافی مجھ کو　　ہر چند عمل سے ہوں سراپا تقصیر

۲۰۶

از فضلِ خدا ہمیشہ راحت دارم　　با نانِ جوم قانع و ہمت دارم
نی بیم ز دنیاست نہ اندیشۂ دین　　در گوشۂ مے خانہ فراغت دارم

ہے فضلِ خدا باعثِ راحت مجھ کو　　ہے نانِ جویں ہی پہ قناعت مجھ کو
دنیا ہی کا خوف ہے نہ ہے دین کی فکر　　مے خانے میں حاصل ہے فراغت مجھ کو

۲۰۷

رنگِ گل از گلشنِ صنعت چیدم — معنئ گناہ و مغفرت فہمیدم
در صورتِ اظہار بسی حیرانم — آئینہ صفت بہ چہ کہ دیدم دیدم

صنعت کے چمن میں رنگِ گل کو دیکھا — مفہوم گناہ و مغفرت کا سمجھا
آئی نہ نظر صورتِ اظہار مجھے — آئینہ صفت دیکھ کے حیران رہا

۲۰۸

در سوز و گداز ہا تماشا کردم — یک جا نہ ہزار جا تماشا کردم
سر رشتۂ روشنی بدست دگرست — پروانہ و شمع را تماشا کردم

سوز اور گداز کا اچنبھا دیکھا — پروانہ و شمع کا بھی جلنا دیکھا
رشتہ تو ضیا کا ہے کسی اور کے ہاتھ — ہر ایک جگہ یہ راز افشا دیکھا

۲۰۹

صد شکر کہ از یار ترحم دیدم　　احسان و کرم بحالِ خود فہمیدم
نخلی کہ نشانید ثمر می بخشد　　آخر گُلی از باغ محبت چیدم

صد شکر کہ سر پہ ہے خدا کا سایا　　احسان کیا اس نے کرم فرمایا
باغِ الفت کے پھول بخشے مجھ کو　　بویا تھا جو نخل اس کا پھل بھی کھایا

۲۱۰

مائیم درین دیار پیوستہ بکام　　ساقی بکنار ست مئی ناب بجام
زاہد چو خُمِ بادہ بگوئی تو حرام　　این بادہ حلال است نگیرم بحرام

ہم رند ہیں رہتے ہیں ہمیشہ خوش کام　　آغوش میں ساقی ہے تو پُر مے سے ہے جام
اے زاہدِ نا فہم نہیں ہوش تجھے　　جو مے ہے حلال اس کو تو کہتا ہے حرام

۲۱۱

احسان و کرم زحیرت افزون دیدم   میزان شدم و ہر دو طرف سنجیدم
پیش آمدِ کارِ من ندامت شدہ است   معنئ گناہ و مغفرت فہمیدم

احسان و کرم تیرا ہے عصیاں سے سوا   خود بن کے ترازو اسے میں نے تولا
جو کام کیا اس نے ندامت بن کر   مفہوم گناہ و مغفرت سمجھایا

۲۱۲

افسوس کہ مخلوق پرستی کردم   وز ہمتِ پست رو بہ پستی کردم
این بادہ خمار داشت ہشیار شدم   ایامِ شباب بود مستی کردم

افسوس کہ مخلوق پرستی کی ہے   رسوا و ذلیل اپنی ہستی کی ہے
اس مے کے خمار سے تھا بچنا لازم   تھا عہدِ شباب اس لیے مستی کی ہے

۲۱۳

بسیار ضعیف و ناتوانست دلم　　از جودِ جهانیان بجانست دلم
گاهی غمِ دنیا و گه اندیشهٔ دین　　زین رہ دو دلم که درمیانست دلم

ناطاقتی و ضعف سے حیران ہے دل　　ظلم اتنے ہیں دنیا کے کہ ہلکان ہے دل
دنیا کا کبھی غم کبھی اندیشۂ دیں　　اس طرفہ دوراہے پہ پریشان ہے دل

۲۱۴

چیزیکه من از جهان بجان می طلبم　　جان را بسلامت زجهان می طلبم
از مردمِ دنیا وز دنیا شب و روز　　دیگر ہوسم نیست امان می طلبم

جس میں نہ ہوس ہو وہ جہاں چاہتا ہوں　　زندہ رہوں جس میں وہ مکاں چاہتا ہوں
اللہ بچائے مجھے اس دنیا سے　　میں اس کے مظالم سے اماں چاہتا ہوں

۲۱۵

ہر شام و سحر در غمِ افعال خودم　　دل خستہ و شرمندۂ احوال خودم
آیا چہ بود مآل کاری کہ بشر　　پیوستہ در اندیشۂ اعمال خودم

ہر شام و سحر نادم افعال بھی ہوں　　مغموم بھی شرمندۂ احوال بھی ہوں
معلوم نہیں مآلِ عصیاں کیا ہو　　ہر وقت خجالت کشِ اعمال بھی ہوں

۲۱۶

محنت بجہان کشید بسیار دلم　　ہر شام و سحر بود در آزار دلم
ناگاہ خیالِ یار آمد بہ کنار　　زین بارِ گران گشت سبکسار دلم

دنیا کی جفاؤں سے گراں بار رہی دل　　ہر شام و سحر موردِ آزار رہے دل
جب سے اُسے آیا ہے خیالِ محبوب　　اس بوجھ سے صد شکر سبکسار ہے دل

۲۱۷

اے محرمِ جان و دل بہ مہرِ تو قسم   شرمندۂ کردار خود و فضلِ تو ام
پیوستہ بخود حساب دارم ہر دم   از من عصیان ز تو ہم احسان و کرم

اے محرمِ جاں تیری محبت کی قسم   شرمندۂ کردار ہے بندہ ہر دم
ہر وقت کی گنتی سے یہی پایا ہے   مجھ سے ہے گنہ تجھ سے ہی احسان و کرم

۲۱۸

آنی کہ بدستِ تو بود شادی و غم   کس نیست بغیر از تو بر آرد از غم
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را   پیوستہ توئی صاحبِ احسان و کرم

تو وہ ہی ترے ہاتھ میں ہے شادی و غم   معلوم تجھی کو ہے مداوائے الم
دیکھا سب کو ہے آزمایا سب کو   ہے تو ہی فقط صاحبِ احسان و کرم

۲۱۹

چیدم گلِ جام و سیر گلشن کردم — از باغ مراد گل بدامن کردم
نوروزِ بہار فیض را سیر بکن — ہنگامِ خزاں میں شگفتن کردم

پیتا بھی رہا سیر چمن بھی کر لی — گل ہائے مراد سے بھی جھولی بھر لی
وہ فیض بہار میں نظر آئے مجھے — ہنگامِ خزاں کھلنے کی تہمت سر لی

۲۲۰

از قوتِ جگر ہنوز لختی دارم — ز اسبابِ حیات جانِ سختی دارم
آزادہ روش گفت در کشور فقر — گو تخت مباش تیرہ بختی دارم

کھانے کے لیے جگر کا اک لخت تو ہے — سامانِ حیات ایک دل سخت تو ہے
کیا خوب اک آزاد نے یہ بات کہی — گو تخت نہیں پاس سیہ بخت تو ہے

۲۲۱

پیوستہ درین دیار با دیدۂ نم — در بحرِ خجالت و ندامت غرقم
خواہم کہ نگردم ز تو غافل یک دم — افسوس ، ازین غفلت ہر دم ہر دم

ہر وقت رہی ہیں مری آنکھیں پُرنم — ہوں غرقِ خجالت و ندامت ہر دم
خواہش ہے کہ تجھ سے کبھی غافل نہ رہوں — افسوس کہ غافل ہی رہا ہوں پیہم

۲۲۲

از دیدۂ دل حسنِ دو عالم دیدم — میزان شدم و نیک و بدش سنجیدم
ہر سر کہ گران بار بود سنگِ دل ست — ہر خستہ سری سبک بود فہمیدم

دیکھا ہے غور سے دو عالم کو مدام — تولا ہے بد و نیک کو میں نے ہر گام
بھاری ہے جو سر دل کے لیے زحمت ہے — خستہ ہے جو سر دل کے لیے ہے آرام

۲۲۳

بر روئی زمین اگر بمانی دو سہ دم — مینائی فلک گر دہدت ساغرِ جم
زنہار مکن قبول دل خوش نبری — بسیار خمار دارد این نشۂ سم

دو دن ہو اگر حیات تیری ہم دم — تقدیر تری دے بھی تجھے ساغرِ جم
ہرگز نہ قبول کر نہ اس پر خوش ہو — توڑے گا تری جان یہ نشۂ سم

۲۲۴

ہر چند کہ چندین گنہ از خود دیدم — احسان و کرم بیش ازان فہمیدم
شرمندہ ہمین فضل و کرم کرد مرا — میزانِ تأمّل شدم و سنجیدم

ہر چند ہوں پُر گناہ میں اے غفّار — لیکن ترے احساں کا نہیں کوئی شمار
پلّہ ہے تری رحمت و بخشش کا گراں — تولا ہے ترازو میں بھی اس کو سو بار

۲۲۵

تا چند کنم گناه یارب ہر دم — از فضلِ تو وز کردۂ خود منفعلم
آیا چہ کند نہ متقی آخر کار — بسیاریٔ جرم و بے حیائی کردم

ہوتے ہیں گناہ مجھ سے یارب پیہم — شرمندہ ہوں میں اپنے کیے پر ہر دم
زاہد تو نہیں ہوں میں کروں کیا آخر — ہر وقت ہے جرم و بے حیائی کا غم

۲۲۶

در گوشۂ فکر سیر دنیا کردم — از بہر خود آرام مہیّا کردم
ہر نیک و بدی کہ بیند از جانہ رود — این وضع ز آئینہ تماشا کردم

کی گوشہ نشینی ہی میں سیر دنیا — آرام کا سامان کیا یوں پیدا
اچھا کہ بُرا جو بھی ہو دیکھے جاؤ — آئینے سے یہ شعار میں نے سیکھا

٢٢٧

پابند مشو بہ رنجِ دنیا گفتم — دل شاد مکن بکوہ و صحرا گفتم
عالم ہمہ پابندِ سراب است بہ بیں — اے جوشِ حباب و موجِ دریا گفتم

یہ فکر یہ غم یہ رنجِ دنیا سب جھوٹ — مستانہ یہ سیرِ کوہ و صحرا سب جھوٹ
دنیا کو سمجھ خوب کہ ہے ایک سراب — یہ جوشِ حباب و موجِ دریا سب جھوٹ

٢٢٨

باید نکشی ز خلق منّت گفتم — گر صاحبِ فطرتی و ہمّت گفتم
این است خیالِ خام ہرگز نہ کشی — بر پردۂ عنکبوت صورت گفتم

دنیا کا نہ ہو رہینِ منّت سن لے — اے صاحبِ دل صاحبِ ہمّت سن لے
تصویر کشی مکڑی کے جالے پہ نہ کر — بے کار ہے کوشش کی یہ صورت سن لے

۲۲۹

الفت بہ غمِ یار گرفتست دلم — بر دوش گران بار گرفتست دلم
زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش — در پیش دگر کار گرفتست دلم

دل کو غمِ یار ہی سے الفت ہے مدام — یہ ایسا سفر ہے کہ نہیں جس کا مقام
زاہد تو نصیحت میں نہ کر وقت خراب — دل کی تو نگاہ میں ہے کچھ اور ہی کام

۲۳۰

با فکر و خیالِ کس نباشد کارم — در طورِ غزل طریق حافظ دارم
امّا بر باعی ام مریدِ خیّام — نی جرعہ کشِ بادہ او بسیارم

سب سے ہے جدا میری غزل عام نہیں — حافظ کی طرز کے سوا کام نہیں
ہوں صنفِ رباعی میں مریدِ خیّام — گو جُرعہ کش بادۂ خیّام نہیں

۲۳۱

از نقشِ برآب ہر چہ گفتم، گفتم
وز جوشِ حباب ہر چہ گفتم، گفتم
این عالمِ پیری و زبانم خاموش
ایامِ شباب ہر چہ گفتم، گفتم

ہے نقشِ برآب میں نے جو کچھ بھی کہا
ہے جوشِ حباب میں نے جو کچھ بھی کہا
اب دن ہیں بڑھاپے کے زباں ہے خاموش
ہے فکرِ شباب میں نے جو کچھ بھی کہا

۲۳۲

ہرگز بخدا زہد ریائی نہ کنم
غیر از معرفت گدائی نہ کنم
شاہی کنم و ملکِ فراغت گیرم
پیوستہ ز میخانہ جدائی نہ کنم

میں اور کروں زہدِ ریائی توبہ
غیروں سے بجز خدا گدائی توبہ
ہے ملکِ فراغت پہ حکومت میری
مے خانے سے اک لحظہ جدائی توبہ

۲۲۳

دیدار بمن نمود از فضل و کرم　　شاہی کہ بود خسروِ اعراب و عجم
این خواب شبِ قدر شد و قدر فزود　　دنیا نہ بود بقدرِ جَو در نظرم

دیدار دکھا دیا بہ صد لطف و کرم　　اس شاہ نے جو ہے شہِ اعراب و عجم
اس خوابِ شبِ قدر سے توقیر بڑھی　　دنیا ہے مری نظر میں اب جَو سے بھی کم

۲۲۴

آنست کہ پیوستہ بود غمخوارم　　بر فضل نظر کند نہ بر کردارم
شاید کہ ندامتم بفریاد رسد　　از کردۂ خویش منفعل بسیارم

غمخوار ہے وہ اس کے ہیں احسان بہت　　رہتا ہے مری خطا سے انجان بہت
شاید ہو ندامت ہی سے فریاد رسی　　میں اپنے کیے پہ ہوں پشیمان بہت

۲۳۵

دل شاد بزی ہمیشہ بر روئ زمین کیخسرو وجمشید نہ ماندند بہ بین
گفتم بتو ایں حرف کہ آگاہ شوی احوالِ جہان گاہ چنان گاہ چنین

خوش رہ کے بسر کرنے پہ رکھ پختہ یقیں کیخسرو وجمشید میں اب کوئی نہیں
لازم ہے تو اس بات سے آگاہ رہے احوالِ جہاں گاہ چناں گاہ چنیں

۲۳۶

از کثرتِ شوق دوست عزلت بگزین از رنج بر آ طریقِ راحت بگزین
پیوستہ چو گرد باد سرگشتہ مشو یک جا بدلِ جمع فراغت بگزین

حسرت ہے بہت اسکی تو عزلت لے لے رنجیدہ نہ رہ طریقِ راحت لے لے
سرگشتہ ہے کیوں اتنا بگولے کیطرح بھٹکا نہ ذرا دل کو فراغت لے لے

۲۳۷

از بہرِ خدا یادِ دلِ شاد بکن   ہر وعدہ کہ کردۂ ہمہ یاد بکن
انصاف عزیز است فراموش مکن   از دامِ ہمہ بخویش آزاد بکن

آ بہرِ خدا اور مجھے کردے شاد   وعدے جو کیے مجھ سے انہیں کر لے یاد
انصاف اسی میں ہے اسے بھول نہ تو   اغیار کی زنجیر سے ہو جا آزاد

۲۳۸

خوش آب و ہوا دیدۂ نہ بر روئی زمین   مشکل کہ اگر زیرِ زمین است چنین
در سر کہ ہوا ہاست ازین معلوم است   شاید نبود ہوائے آنجا بہ ازین

اس روئے زمیں پر نہیں آرام کہیں   مشکل ہے یہ صورت ہو اگر زیرِ زمیں
جب دل میں یہاں حرص و ہوا ہے اتنی   اغلب ہے وہاں کی بھی ہوا خوب نہیں

۲۳۹

صد رنگ بود ہمیشہ احوالِ جہان   گہ سیرِ بہارش کن و گہ سیرِ خزان
از پست و بلند او دل آزردہ مشو   ہموارہ مکن درد بخود ہم درمان

سَو رنگ کی تصویر ہے نیرنگِ جہاں   دیکھ اس کی بہار اور کبھی اسکی خزاں
پستی و بلندی سے دل آزردہ نہ ہو   تو آپ ہی بن دردِ دروں کا درماں

۲۴۰

خواہی کہ شوی شاد و نگردی غمگین   از خلق کنارہ گیر و تنہا بہ نشین
آسودگی ہر دو جہان است ہمیں   یک حرف ز من بشنو و راحت بگزین

ہے تجھ کو اگر شادی و آرام کی دُھن   رہ خلق سے دُور اور گلِ راحت چُن
آسودگیٔ ہر دو جہاں ہے اس میں   یہ کام کی بات ہے اسے غور سے سُن

۲۴۱

تا فکر و خیالش بدلم کرد وطن   سر تا بقدم فکر و خیالم همه تن
از خود سخنی همیشه دارم آقا   اظهار محالست همین است سخن

جب سے تری الفت کی ہوئی دل کو لگن   ہوں غرق ترے خیال ہی میں ہمہ تن
دل ہی میں ترا ذکر کیے جاتا ہوں   ممکن کسی صورت نہیں اظہارِ سخن

۲۴۲

بابِ کرم و لطف کشودی بر من   صد رنگ دلم شگفتہ شد رشکِ چمن
یک فضلِ تو از ہزار ناید بہ بیان   ہر چند زبان شود بشکرت ہمہ تن

تو نے جو کیا لطف و کرم مشفقِ من   دل کھل کے ہوا پھول بنا رشکِ چمن
شکر ایک ہی فضل کا ہے دشوار بہت   ہر چند زباں شکر بنی ہے ہمہ تن

۲۴۳

این ہستی موہوم حبابست بہ بین — این بحر پُر آشوب سراب است بہ بین
از دیدۂ باطن بہ نظر جلوہ گراست — عالم ہمہ آئینہ و آب است بہ بین

یہ ہستیٔ موہوم یقیناً ہے حباب — یہ بحرِ پُر آشوب سراسر ہے سراب
تو دیدۂ باطن سے نظر آتا ہے — یہ عالم نیرنگ ہے آئینہ و آب

۲۴۴

چون پیر شدم گناہ گردید جوان — بشگفتہ گلِ داغ بہنگامِ خزان
این لالہ رخان نقلِ مزاجم کردند — گہ متقیم گاہ سراپا عصیان

میں عمر میں ہوں پیر گناہوں میں جواں — داغوں کا چمن ہے اور ہے فصل خزاں
ان لالہ رخوں نے یہ تلوّن بخشا — زاہد ہوں کبھی، کبھی سراپا عصیاں

۲۴۵

خواہی بجہان نام برآری چو نگین　　از خلق گزین کنار و تنہا بنشین
دیدیم درین بادیہ از دشت شدند　　بس سردیٔ دنیا و بسی گرمیٔ دین

تو نام کا خواہاں ہے اگر مثلِ نگیں　　دنیا سے کنارہ کر کے ہو گوشہ نشیں
اس دشت میں بہتوں سے سُنا ہی ہم نے　　کچھ سردیٔ دنیا ہے نہ کچھ گرمیٔ دیں

۲۴۶

یک سو غمِ دنیا و دگر سو غمِ دین　　این است کہ دیدیم نہ آنست نہ این
جان کندن و دل دریئے نام است نشان　　ہر نیک گرفتست مرا ہم چو نگین

دنیا کا اِدھر غم ہے اُدھر ہے غمِ دیں　　سچ پوچھو تو راحت کسی صورت سے نہیں
شہرت کے لیے بشر مرا جاتا ہے　　شہرت کے لیے خود کو سمجھتا ہے نگیں

۲۴۷

در دل چو نمود مہرِ جانان مسکن — صد رنگ شگفت این گل و گردید چمن
پیدا و نہانیم درین دورِ کہن — مارا نتوان شناخت اِلّا بہ سخن

دل جب سے محبت کا ہوا ہے مسکن — سو پھول کھلے اور ہوا رشکِ چمن
اس دور میں ہم نہاں بھی ہیں پیدا بھی — پہچان ہماری نہیں جز حرف و سخن

۲۴۸

دل را بخیالِ او ہم آغوش بکن — خود را بفلک ز اوج ہمدوش بکن
این حرف ز متقی فراموش مکن — یادِ دو جہان ز دل فراموش بکن

دل اس کے تصور سے ہم آغوش کرو — رفعت میں فلک سے اسے ہم دوش کرو
یہ بات نہ متقی کی بھولو ہرگز — ہر قسم کا غم دل سے فراموش کرو

۲۴۹

سرمد تو حدیثِ کعبہ و دیر مکن ‏ در وادیٔ شک چو گمرہاں سیر مکن
این شیوۂ بندگی ز شیطان آموز ‏ یک قبلہ گزین سجدۂ بر غیر مکن

سرمد تو بیانِ کعبہ و دیر نہ کر ‏ اس وادیٔ اشتباہ کی سیر نہ کر
شیطان سے پوچھ بندگی کیا شے ہے ‏ اک قبلہ بنا بندگیٔ غیر نہ کر

۲۵۰

در کوئے مغان موسمِ گل منزل کن ‏ خود را بدرِ جنون بزن غافل کن
این خرقۂ پشمینہ کہ بارست و وبال ‏ از دوش بنہ فراغتی حاصل کن

میخانہ ہو فصلِ گل میں تیری منزل ‏ دیوانۂ عشق بن کے ہو جا غافل
یہ خرقۂ پشمینہ جو ہے بار گراں ‏ پھینکے گا تو کچھ ہو گی فراغت حاصل

۲۵۱

برمن درِ لطف وجود مسدود مکن	مقبول تو ہر کہ گشت مردود مکن
از ضعف نمی توان گران بار کشید	پیرانہ سرم گناہ افزود مکن

کر خود پہ درِ لطف نہ ہرگز مسدود	مقبول کو کیوں بنا رہا ہے مردود
اُٹھے گا نہ تجھ سے ضعف میں بارِ گراں	بہتر ہے کہ پیری میں گنہ ہوں نابود

۲۵۲

ای فکر کزین خدمتِ شاہان بگزین	پیوستہ کسی نماند بر روئی زمین
پیشانیٔ شاہان ہمہ پُر چین دیدم	دنیا نبود بقدر یک چینِ جبین

رکھتا ہے جو تو خدمتِ شاہاں پہ یقیں	انجام کچھ ان کا بھی تجھے معلوم نہیں
پیشانیٔ شاہاں پہ تو بل ہی دیکھے	دنیا کچھ ہے تو ہے فقط چینِ جبیں

۲۵۳

خواہی کہ بدستِ تو بود نام و نشان   ماندِ نگین خانہ نشین شو بہ جہان
پیوستہ چو نقشِ پا بیا سا یک جا   بی سنگ فلاخن نشود ریگِ روان

خواہش ہے اگر تجھ کو ملے نام و نشاں   مانندِ نگیں ڈھونڈ کوئی ایک مکاں
بیٹھ ایک جگہ نقشِ قدم کی مانند   بے سنگ نہیں ہوتی کبھی ریگِ رواں

۲۵۴

دلخواہ نشد دو چار یارے بہ جہان   غمخوار نہ دیدیم بکارے بہ جہان
آن گل کہ دہد بوئے وفا نایاب است   کن سیرِ خزانی و بہارے بہ جہان

دلخواہ زمانے میں نہیں ایک بھی یار   ملتا نہیں دنیا میں کوئی بھی غم خوار
ہو بوئے وفا جس میں وہ گل ہے نایاب   کر سیرِ خزاں بھی دیکھ کر فصلِ بہار

۲۵۵

یارب ز کرم خستہ دلم شاد بکن   ویرانۂ جان و جسم آباد بکن
خواہم کہ عروسِ عیش گیرم بکنار   از دامِ غم و محنتم آزاد بکن

یارب کرمِ خاص سے رکھ شاد مجھے   ویران ہے زندگی رکھ آباد مجھے
دل کو ہے عروسِ عیش و راحت کی طلب   دامِ غم و رنج سے کر آزاد مجھے

۲۵۶

ای لالہ رخ و سرو قد و سیمین تن   ایامِ بہارست بکن سیرِ چمن
چون غنچہ مکن حجلہ نشینی ستم است   گل میرود و سنبل و نسرین و سمن

اے لالہ رخ و سرو قد و سیمیں تن   موسم یہ بہار کا ہے کر سیرِ چمن
غنچے کی طرح حجلہ نشینی ہے بُری   مرجھانے کو ہیں سنبل و نسرین و سمن

۲۵۷

تا مہر و خیالش بدلم کرد وطن — صد رنگ شگفت این و شد رشک چمن
فکرم دگر و راہِ خیالم دگر است — بے صاحبِ معنی بر د این جا بسخن

جب سے ہے مرا دل تری الفت کا وطن — سو رنگ کے پھولوں سے ہے یہ رشکِ چمن
فکر اور مری راہِ خیال اور ہی کچھ — معنی ہی نہیں جب تو کہاں حُسنِ سخن

۲۵۸

از بہرِ چہ حبِ جاہ باید کردن — عمرِ خود را تباہ باید کردن
مانندِ نگین چہ لازم است از پئے نام — جان کندن و روسیاہ باید کردن

کیوں مائلِ حبِّ جاہ تم ہوتے ہو — بے فائدہ کیوں تباہ تم ہوتے ہو
کیوں دل میں ہے مانندِ نگیں خواہشِ نام — کس واسطے روسیاہ تم ہوتے ہو

۲۵۹

زین طولِ امل آه چہ خواہی کردن — زین خواہش جانکاہ چہ خواہی کردن
سر رشتۂ عمر ہر نفس درتاب است — زین ہمتِ کوتاہ چہ خواہی کردن

یہ طولِ امل آہ نہیں فائدہ مند — یہ خواہش جانکاہ نہیں فائدہ مند
سر رشتۂ عمر دم بہ دم پیچ میں ہے — یہ ہمتِ کوتاہ نہیں فائدہ مند

۲۶۰

ای دوست درین دہر نکوکاری کن — پیش از نفسی نیست کم آزاری کن
خشنودئ اہلِ دل غنیمت بشمار — ہر جا کہ بود خستہ دلی یاری کن

اے دوست زمانے میں نکوکاری کر — فانی ہے بہت عمر کم آزاری کر
خوشنودیِ اہلِ دل بھی اک نعمت ہے — بیمار سے مل علاجِ بیماری کر

۲۶۱

خود را بخیالِ دوست دل شاد بکن　　از محنت اندوہ و غم آزاد بکن
یاران کہ شب و روز رفیقت بودند　　از شادی و اندوہ ہمہ یاد بکن

محبوب کی یاد ہی میں کر دل کو شاد　　ہو جائے گا یہ رنج والم سے آزاد
جو دوست شب و روز ترے ساتھ سے　　ہر شادی و اندوہ میں کر اُن کو یاد

۲۶۲

دریائی عنایتش نہ دارد پایان　　در شکر زبان قاصر دل ہم حیران
ہر چند گناہ بیش از و رحمت بیش　　کردیم شناوری بہ بحرِ عصیان

دریائے کرم تو ہے بہت بے پایاں　　قاصر ہے زباں شکر میں دل ہے حیراں
رحمت ہے گناہوں کی بھی تعداد سے بیش　　ہم کو نہ ڈبو سکے گا بحرِ عصیاں

—۲۶۳—

گہ مستقیم کند گہی پیرِ مغان — احوالِ جہان گاہ نہ دیدم یکسان
چون نخل گہی سبز و گہی عریانم — بی موسمِ گل بہار ہنگامِ خزان

زاہد ہے کبھی بشر کبھی پیرِ مغاں — حالات جہاں نہ دیکھے یکساں
بے برگ کبھی اور کبھی ہوں سرسبز — بے موسمِ گل بہار بے وقت خزاں

—۲۶۴—

بی فضلِ تو آسان نشود مشکلِ من — آسودگی از رنج نیاید دلِ من
سرسبز بکن کشت مرادم یارب — تا گنج فراغت نشود حاصلِ من

بے لطف و کرم سہل نہ ہوگی مشکل — دم بھر کے لیے قرار پائے گا نہ دل
سرسبز کر اے خدا میری مراد — ہو جائے مجھے حاصلِ ہستی حاصل

۲۶۵

مهرش بگزین بکامرانی بنشین　　دیگر نبود دولتِ راحت به ازین
بے دوستیش نیست میسّر هرگز　　گر طالبِ دنیائی و گر طالبِ دین

رکھ اس کی محبت پہ مسرت کا یقیں　　اس سے بڑھ کر تو کوئی راحت ہی نہیں
بے اس کی محبت کے نہ ہو گی حاصل　　دنیا کی طلب ہو تجھے یا خواہشِ دیں

۲۶۶

خواهی نکشی رنج و نجوئی درمان　　دوری بگزین ز همنشینانِ جهان
چون عقرب و مار کن تصوّر همه را　　از صحبتِ هم دمان امان خواه امان

خواہش ہے اگر رنج نہ ہو تجھ کو یہاں　　ہرگز نہ ہو دل دادۂ اربابِ جہاں
کھا جائیں گے کاٹ کر یہ ہیں عقرب و مار　　اِن نیش زنوں سے ہر گھڑی مانگ اماں

۲۶۷

اندیشۂ یارانِ حسد پیشہ بکن | سنگی کہ بہ بینی حذر از شیشہ بکن
از صحبت این طائفہ دل شاد مشو | از مردم روزگار اندیشہ بکن

یارانِ حسد پیشہ سے تو خود کو بچا | پتھر ہیں یہ توڑیں گے دل شیشہ نما
ان لوگوں کی صحبت سے حذر لازم ہے | ان لوگوں سے ڈرنے ہی میں ہے تیرا بھلا

۲۶۸

تا چند تہ سپہر و بر روی زمین | از بہر زر و سیم بگردی غمگین
یکجا بنشین بگوشہ ہمچو نگین | این نقش بر آب است سراب است ببین

کب تک تہ چرخ اور بالائے زمیں | تو بہر زر و سیم پھرے گا غمگیں
ہے نقش بر آب یہ سرابِ ہستی | ہو مثلِ نگیں گوشۂ عزلت میں مکیں

۲۶۹

با ترکِ تعلق نفسی یار بشو زین بارِ گران دمی سبکسار بشو
تا چشم کنی باز بہم باز نہی ای بیخبر از خویش خبردار بشو

اک ترکِ تعلق کا ذرا یار تو ہو اس بارگراں سے کچھ سبکسار تو ہو
آنکھوں کو نہ کر بند انہیں کھول ذرا اے بے خبر اپنے سے خبردار تو ہو

۲۷۰

افسردہ نشد ز رنج دنیا دلِ تو آگاہ نشد گاہ دلِ غافلِ تو
گر تخمِ ندامت نفشاندی آخر زین کشتِ ندامت چہ بود حاصلِ تو

جب تک غمِ دنیا پہ ہے مائل ترا دل آگاہ نہ ہوگا تو رہے گا غافل
بویا جو نہیں تخمِ ندامت تو نے ظاہر کی ندامت سے نہیں کچھ حاصل

۲۷۱

شد بر تنِ من عرقِ گنه ہر سرِ مو ازمن ہمہ زشتی است و نیکی است ز تو
تا چند کنم گناہ و او فضل کند شرمندۂ جرم خودم و رحمت او

تن پر ہے مرے عرقِ گنہ ہر سرِ مو میں زشت ہوں نیکی سے تو یکسر مملو
کبتک میں کروں گناہ کبتک ہو کرم دونوں نے خجل کیا ہے یا ہُو یا ہُو

۲۷۲

بگذر ز خودی ز فتنہ ہا ایمن شو تا چند شوی خار گہی گلشن شو
با نفسِ ستمگار خصومت بر کن گفتم بتو ای دوست بخود دشمن شو

ہاں چھوڑ خودی کو شر سے تو ایمن ہو کانٹا نہ بن اے دوست کبھی گلشن ہو
اس نفسِ ستمگار کو دشمن نہ سمجھ لازم ہے کہ خود اپنا ہی تو دشمن ہو

۲۷۳

آسان نبود بفہمِ فہمیدن او　　مشکل بدل و دیدہ بود دیدن او
دیوانہ دل و دیدہ بسی حیران است　　دریافتن و دیدن و سنجیدن او

ادراک کی حد میں اسے لانا مشکل　　ہے دیدہ و دل سے اسے پانا مشکل
دیوانہ ہے دل آنکھ بہت حیران ہے　　دونوں کا یہاں راہ پہ آنا مشکل

۲۷۴

از مال و منالِ خویش مغرور مشو　　در نشۂ این شراب مسرور مشو
در آمد و رفت این تفاوت بنود　　دل شاد ازین مباش و رنجور مشو

دنیا کے زر و مال پہ مغرور نہ ہو　　یہ بادۂ تندیلی کے مسرور نہ ہو
کچھ فرق نہیں ہے کہ نہیں ہے دولت　　دل شاد نہ ہو اس سے تو رنجور نہ ہو

۲۷۵

این باعثِ دل خستگی ام چیست بگو   تا چند به محنت بکنم زیست بگو
هر چند بدم از کرمِ خویش بہ بخش   غیر از تو بمن رحم کند کیست بگو

دل خستگی و رنج ہے کیوں کچھ تو بتا   کب تک کروں برداشت غم و رنج و عنا
ہر چند بُرا ہوں تو کرم کر مجھ پر   بخشے گا نہ کوئی بھی مجھے تیرے سوا

۲۷۶

مینائی فلک کہ سنگ می بارد زو   در پردۂ صلح جنگ می بارد زو
غیر از سپرِ قدح گریزت نہ بود   ہر چند کہ سنگِ ننگ می بارد زو

افلاک سے گرتے ہیں بہت سنگ یہاں   ہے صلح کے پردے میں بہت جنگ یہاں
بچنے کے لیے سپر بنا ساغر کو   ہر چند ہے اس میں بھی بہت ننگ یہاں

۲۷۷

از وہم و خیالِ خویش دلریش مشو   وز نیک و بدِ خلق بد اندیش مشو
صحبت بکنی مدار جز ساقی و جام   گر یار شوی با دو سہ کس بیش مشو

خود اپنے خیالات سے دلریش نہ ہو   نیک و بدِ دنیا سے بداندیش نہ ہو
ہو دوست کسی کا نہ بجز ساقی و جام   یاری تری دو تین سے ہو بیش نہ ہو

۲۷۸

خواہی کہ بجز دوست شوی دشمن شو   از آفتِ خواہش بجہان ایمن شو
این نفسِ ستمگار دل آزار ترا   خاریست کن از باغِ دل و گلشن شو

تو خود کو عزیز ہے تو خود دشمن ہو   رکھ دل میں نہ خواہش کوئی اور ایمن ہو
یہ نفسِ ستم گر ہے دل آزار بہت   کانٹے کو نکال اور خود گلشن ہو

۲۷۹

هر لحظه ندامت است یا رب زگناه　　در دل همه خجلت است و بر لب آه
ای بادِ مرادِ وصل وقتِ مدد است　　در بحرِ گناه کشتیم گشت تباه

تڑپاتے ہیں ہر لحظہ مجھے میرے گناہ　　دل میں ہے ندامت تو مرے لب پر آہ
اے بادِ مرادِ وصل کر میری مدد　　کشتی ہوئی عصیاں کے سمندر میں تباہ

۲۸۰

جز محنت و رنج نیست حاصل ز همه　　فارغ شو و آزاد۔ بکن دل ز همه
خود را بخدا گزار و اندیشه مکن　　این فکر و خیال و وهم مشکل ز همه

دنیا سے بجز رنج نہیں کچھ حاصل　　اس انس کو چھوڑ دے تو آسودہ ہو دل
دل اپنا خدا کو سونپ کچھ خوف نہ کر　　کچھ بھی نہ بگاڑے گا یہ وہم باطل

۲۸۱

از نیک و بدِ خویش نگشتم آگاہ　　برفضلِ تو کردم گنہ و نامہ سیاہ
اندر قدرتِ تست ضعف و قوت ہمہ را　　لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

نیکی و بدی سے نہ ہوا میں آگاہ　　رحمت کے بھروسے پہ کیا نامہ سیاہ
طاقت ہو کہ ضعف تیری قدرت ہی سے ہے　　لاحول ولا قوۃ الا باللہ

۲۸۲

غیر از در رحمتش نداریم پناہ　　بےچارہ و عاجزیم باحال تباہ
نی طاقت زہد ست نہ یارائے گناہ　　لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

رحمت کے سوا اور نہیں کوئی پناہ　　عاجز ہوں مرا حال نہایت ہے تباہ
ہے زہد کی طاقت نہ ہے یارائے گناہ　　لاحول ولا قوۃ الا باللہ

۲۸۳

شوخی ز کفم ربود دل را به نگاه شد روز بمن تیرہ ازین چشم سیاہ
پیری و شباب جمع شد آخرِ کار لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

دل لے گئی اک شوخ کی دزدیدہ نگاہ دن کو بھی سیہ کر گئی وہ چشمِ سیاہ
یک جا ہوئے پیری و شباب آخر کار لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ

۲۸۴

احوال کہ از جورِ فلک گشت تباہ این بود کہ از شاہ و گدا خواست نباہ
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

ہے جورِ فلک سے یوں مرا حال تباہ میں ہر کس و ناکس سے ہوں جویائے پناہ
دیکھا بھی ہے سب کو آزمایا سب کو لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

۲۸۵

افسوس بہ تقدیر نہ بردیم پناہ　　زاندیشہ و تدبیر شد احوال تباہ
مغرور مشو بہ قوت و قدرتِ خویش　　لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

افسوس کہ تقدیر نے بخشی نہ پناہ　　تدبیر سے حال ہوگیا اور تباہ
مغرور نہ ہو اس پہ کہ طاقتور ہوں　　لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

۲۸۶

احوال شد از زشتیٔ اعمال تباہ　　جز فضلِ خدا نیست دگر جائے پناہ
ہر چند کہ من ضعیف و ابلیس قوی است　　لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

ہے زشتیٔ اعمال سے ہی حال تباہ　　جز فضلِ خدا اور نہیں کوئی پناہ
ہر چند میں کمزور ہوں شیطان قوی　　لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

۲۸۷

گر متقیم وگر اسیرم بہ گناہ آنی کہ بہر حال درآری بہ پناہ
نیک و بد ہر کس بہ یدِ قدرتِ تست لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ

زاہد ہوں میں یا رہتا ہوں پابند گناہ تو وہ ہے کہ ہر حال میں دیتا ہے پناہ
ہر ایک کا نیک و بد تیرے ہاتھ میں ہے لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ

۲۸۸

زاہد تو چہ لذت ز ریا یافتۂ صد خرقۂ پشمینہ بہم تافتۂ
از رشتۂ تسبیح کہ باریک ز موست محکم رسنی برائے خود یافتۂ

زاہد تجھے دیتا ہے مزا کیا یہ ریا کیوں خرقۂ پشمینہ کو ملبوس کیا
ہے رشتۂ تسبیح سے الفت تجھ کو کیا خوب بنایا ہے گلے کا پھندا

۲۸۹

بیهوده بسی تخم هوس کاشتهٔ — حاصل چه ازیں کاشته انگاشتهٔ
سودائے جہان سود نہ بخشد آخر — نقصان کند آنچه نفع پنداشتهٔ

بے فائدہ کیوں تخمِ ہوس بوتا ہے — حاصل تجھے اس کام سے کیا ہوتا ہے
سودے میں جہاں کے تو نہیں سود ذرا — تو اصل میں پاتا نہیں کچھ کھوتا ہے

۲۹۰

بادامِ ہوا و حرص تا ہم نفسی — پابند خودی شام و سحر در قفسی
آزاد چو سرو باش در گلشنِ دہر — گر سنبل و نسرینی و گر خار و خسی

تو حرص سے آزاد نہیں ایک نفس — ہے تیری خودی تیرے لیے ایک قفس
ہو سرو کی مانند چمن میں آزاد — تو سنبل و نسریں ہے ہے خار کہ خس

۲۹۱

در دہر اگر ہمسر افلاک شوی پستی بگزین کہ عاقبت خاک شوی
آزردگیٔ جہان نیرزد بجوی دامن بہ فشان زحرص تا پاک شوی

ہر چند ہے تو ہمسر اوج افلاک لازم ہے تجھے عجز کہ ہونا ہے خاک
کچھ بھی تو نہیں قیمتِ فکرِ دنیا دامن کو جھٹک حرص سے ہوگا ناپاک

۲۹۲

پیداست ز پیشانیٔ من عصیانی داری نظر لطف بمن پنہانی
اسرارِ نہان بود بہ پیش تو عیان گر فاسق وگر متقیم می دانی

مرقوم مرے ماتھے پہ ہیں میرے گناہ اس پر بھی ہے مجھ پر تری دریدہ نگاہ
اسرار نہاں تجھ پہ سراسر ہیں عیاں زاہد ہوں کہ فاسق تو ہے اس سے آگاہ

٢٩٣

گر در طلب بادۂ راحت ہستی — وز نشۂ آزادئ دنیا مستی
دین ہم بگذار دامنِ دوست بگیر — در عالمِ مستی ز دو عالم رستی

ہے بادۂ راحت کی اگر تجھ کو تلاش — کچھ تجھ کو نہیں فکرِ جہاں فکرِ معاش
کر دین بھی ترک اور پکڑ دامن دوست — دیکھے گا دو عالم میں نہ کوئی پرخاش

٢٩٤

تا چند در اندیشۂ دنیا باشی — آوارۂ دشت و کوہ و صحرا باشی
دامانِ قناعت است بسیار وسیع — از دست مدہ درین جہان تا باشی

کب تک تجھے اندیشۂ دنیا کب تک — آوارۂ دشت و کوہ و صحرا کب تک
ہے اس میں بھلا تیرا اسے چھوڑ نہ تو — دامانِ قناعت سے کنارا کب تک

۲۹۵

تنہا نہ ہمین جان و دل ایمانی — آنی تو کہ ہر لحظہ بچندین۔ آنی
بیرون ز تصور و خیالت دیدم — آن چیز کہ در فہم نیاید۔ آنی

میرا ہی نہیں بلکہ ہے محبوب انام — تو وہ ہے کہ اک لحظے میں سو تیرے مقام
باہر ہے مرے فہم و تصور سے تو — حق بات یہ ہے اس میں نہیں کوئی کلام

۲۹۶

ای جان گرامی تو چرا نادانی — باید کہ بدانی چہ قدر می مانی
بر ہستیٔ موہوم عبث مغروری — پیوستہ نمانی۔ دو سہ دم مہمانی

اے دوست بھلا کس لیے نادان ہے تو — فانی ہے مگر اس پہ بھی انجان ہے تو
ہے ہستی موہوم پہ یہ ناز عبث — دو تین ہی دن کے لیے مہمان ہے تو

۲۹۷

در دیده و دل ہمیشہ دارد گذری ہر لحظہ بدیدار شود در اثری

گو خستہ دلی کہ سیر این جلوہ کند از خود رود و ز خود نگیرد خبری

ہے دیدہ و دل میں ترا ہر وقت گزر ہر شے میں نمو تیری ہی ہر شے میں اثر

اس رنگ میں کرتا ہے جو تیرا دیدار وارفتہ کو رہتی نہیں خود اپنی خبر

۲۹۸

اے خانہ خراب از خدا بے خبری اے موجِ سراب از خدا بے خبری

این ہستیٔ موہوم تو نقش است بر آب اے جوش حباب از خدا بے خبری

اے خانہ خراب کیوں ہے بیگانۂ حق اے موجِ سراب کیوں ہے بیگانۂ حق

یہ ہستیٔ موہوم تو ہے نقش بر آب اے جوش حباب کیوں ہے بیگانۂ حق

۲۹۹

بیش از گنہم بخشش و احسان کردی — بر خوانِ کرم ہمیشہ مہمان کردی
ہر چند گنہ بیش شد افزود کرم — این طور ز کردار پشیمان کردی

عاصی ہوں مگر موردِ احساں ہوں میں — خوانِ کرمِ دوست پہ مہماں ہوں میں
عصیاں بھی ہیں بیش اور کرم اس سے بیش — اپنے کردار سے پشیماں ہوں میں

۳۰۰

گیرم کہ چو نرگس ہمہ تن سیم و زری — تا چشم کشودی و بخود در نگری
از خواہش مال و جاہ زحمت نبری — ای جوشِ بہار از خزان بے خبری

مانا کہ تو نرگس کی طرح ہے زردار — کھول آنکھ ذرا اور کر اپنا دیدار
زحمت ہے فقط یہ خواہشِ جاہ و حشم — پت جھڑ سے ہے کیوں بےخبر اے جوشِ بہار

۳۰۱

از مردمِ روزگار غافل نظری — وز گرمیٔ این طائفه خوشدل نه شوی
پرواز بکن همیشه از صحبتِ شان — تا در قفسِ فریب بسمل نه شوی

دنیا سے ہے لازم تجھے غافل ہونا — اچھا نہیں اس بزم میں خوشدل ہونا
تو چھوڑ بھی دے بروں کی صحبت ورنہ — اس پنجرے میں ہوگا تجھے بسمل ہونا

۳۰۲

در پیری وضعف سیرِ گلشن نہ کنی — صد رنگ گل اشک بدامن نہ کنی
چون غنچہ درین باغ پریشان کردی — بی لالہ رخی میل شگفتن نہ کنی

کیوں کرتا ہے پیری میں تو سیرِ گلشن — رنگین نہ کر آنسوؤں سے اپنا دامن
کھلنا نہیں ممکن جو نہیں وہ گل رو — دل جس میں شگفتہ ہے وہ ڈھونڈ چمن

۳۰۳

تا چند بہ کوہ و دشت زحمت بکشی　　از بار ہوا و حرص محنت بکشی
این زندگیت بقدرِ خواہش نہ بود　　وقت است ہنوز گر ندامت بکشی

کب تک یہ ہوائے سیرِ دشت و کہسار　　یہ حرص کا بوجھ ہے سراسر آزار
جیتے جی تو خواہش نہیں پوری ہوگی　　ہے وقت ابھی کہ شرم ہو تیرا شعار

۳۰۴

افسوس ز احوالِ خود آگاہ نئی　　بدخواہِ خودی ولی ہوا خواہ نئی
بی ہوشئ غفلت خماری دارد　　ہشیار ز صہبائی سحرگاہ نئی

افسوس تو اعمال سے آگاہ نہیں　　بدخواہ ہے اپنا تو ہوا خواہ نہیں
بے ہوشئ غفلت میں بلا کا ہے خمار　　تو واقفِ صہبائے سحرگاہ نہیں

۳۰۵

از خواہشِ مال و جاہ زحمت ببری   با یار بسر بکن کہ راحت ببری
غافل نشوی بسی ندامت بکشی   آگاہ اگر شوی فراغت ببری

دولت کی ہوس چھوڑ کہ راحت مل جائے   ہم صحبتِ حق ہو کہ مسرت مل جائے
غفلت میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں   اس بات کو سمجھے تو فراغت مل جائے

۳۰۶

یارب ز من زار نیاید کاری   جز معصیت و غفلتِ بی حد کاری
از کار گذشتہ کار آگاہ شدم   کارم نہ شد از من کہ بیاید کاری

کچھ بھی نہ کیا دل کو گراں بار کیا   عصیاں میں رہا خود کو نہ بیدار کیا
اس بات کا اب علم ہوا ہے مجھ کو   جو کام کیا میں نے وہ بے کار کیا

۳۰۷

گہ شہر و دیار گہ بہ صحرا رفتی   در راہِ ہوس بصد تمنا رفتی
این قافلہ نزدیک سرِ منزل شد   اتمام سفر گشت کجا ہا رفتی

تو شہر و دیار و صحرا میں گیا   راہِ ہوس و حرص کا راہی بھی ہوا
یہ قافلہ اب پہنچا ہے منزل کے قریب   باقی نہ رہی عمر کرے گا اب کیا

۳۰۸

اے دل عبث از دارِ بقا می ترسی   اندیشہ مکن کہ از کجا می ترسی
در راہِ فنا نیست تعب آرام است   آن خانہ ازین جاست چرا می ترسی

اے بے خبر دارِ بقا ڈر نہ ذرا   اندیشہ تجھے اس سے ہے کیا ڈر نہ ذرا
اس گھر کا تعلق بھی تو ہے دنیا سے   راحت کدہ ہے راہِ فنا ڈر نہ ذرا

۳۰۹

از مردمِ دنیا بود اندیشہ بسی — این گرگ و پلنگ اندرین بیشہ بسی
مینائی دل از سنگدلان در خطر است — اندیشہ بود ہمیشہ زین شیشہ بسی

دنیا والوں سے زندگی سب کی ہے تنگ — اس دشت میں رہتے ہیں بہت گرگ و پلنگ
ان سنگ دلوں سے دل نہیں بچ سکتا — اس شیشے کو ہر وقت ہے اندیشۂ سنگ

۳۱۰

افسوس کہ از کردۂ خود بے باکی — در دشتِ ہوس جیب و گریبان چاکی
این یک دو نفس ہستیٔ خود نیست شمار — پندار کہ بر خاک نئی در خاکی

تو اتنا گنہ گار پھر اتنا بے باک — ہے دشتِ ہوس میں ترا دامن صد چاک
دو چار نفس ہی کی ہے ہستی تیری — تو خاک پر آباد نہیں خود بھی ہے خاک

۳۱۱

دریاست دلت گر تو شناور بشوی غواصِ محیط ہفت کشور بشوی
در بحرِ وجود تست موجود ہمہ طوفان بکنی و خواہ لنگر بشوی

دریا ہے اگر دل تو شناور ہو جا غواصِ محیطِ ہفت کشور ہو جا
اس بحرِ وجود میں ہیں دونوں اوصاف طوفاں ہو جا تو خواہ لنگر ہو جا

۳۱۲

ای دل بخدا کہ از خدا بے خبری ہر شام و سحر در طلب سیم و زری
از موج سراب و از حبابی کمتر مانندِ نسیم ہر نفس در گذری

اللہ کی اے دل نہیں کچھ تجھ کو خبر ہر وقت ہے تجھ کو خواہشِ سیم و زر
تو موجِ سراب سے ہے بڑھ کر بے بود مانندِ نسیم ہے یہاں تیرا گزر

۳۱۳

ہر شام تو از شراب غفلت مستی — در بر رُخ فیض ہوش محکم بستی
مینائی فلک پُراست از بادۂ کین — ہشیار کہ آخر نہ کند بدمستی

بخشی مۓ غفلت نے تجھے یہ مستی — ویران ہوئی ہوش وخبر کی بستی
مینائے فلک میں ہے عداوت کی شراب — تاثیر ہے اس کی تو فقط بدمستی

۳۱۴

خواہی کہ رسی بکام و تلخی نہ چشی — آسودہ شوی بارِ ندامت نہ کشی
با صبر بساز و با قناعت خوکن — از دستِ ہوا و حرص در کشمکشی

خواہاں ہے اگر کہ اشکِ حسرت نہ بہے — آسودہ رہے بارِ ندامت نہ سہے
اس کے لیے ہے صبر وقناعت لازم — کیوں کشمکشِ حرص ترے دل میں رہے

۳۱۵

هستی به نظر چه شد اگر پنهانی　　این راز نهفته را تو هم می دانی
چون شمع ز فانوس نمائی خود را　　پیوسته درین لباسِ خود عریانی

نظروں میں ہے ہر چند کہ پنہاں تو ہے　　اس راز کا بھی صاحبِ عرفاں تو ہے
ہے شمع کی مانند نمایاں ہردم　　فانوس کے پردے میں بھی عریاں تو ہے

۳۱۶

ای یار درین دیار غم خوار توئی　　آگاه بر احوالِ من زار توئی
دیدم همه را و آزمودم همه را　　در بیکسی ام یارِ وفادار توئی

غم دیدہ ہوں میں اگر تو غم خوار ہے تو　　آگاہ مرے حال سے اے یار ہے تو
دیکھا بھی ہے سب کو آزمایا سب کو　　بیکس ہوں میں اک یار وفادار ہے تو

۳۱۷

بیہودہ در اندیشۂ سیمی و زری — حاصل ز جہان بجز ندامت نہ بری
بیش از نفسی ہستی موہوم تو نیست — مانندِ حباب رفتہ و در گذری

بے ہودہ ہے اندیشۂ زر اے غافل — ہونا ہی پڑے گا تجھے ہستی پہ خجل
مانندِ حباب آکے چلا جائے گا — بس ہستی موہوم کا ہے یہ حاصل

۳۱۸

در بحرِ وجود کم تر از خار و خسی — مانندِ حباب یک نفس در قفسی
آزاد بشوز دامِ غفلت گفتم — بیہودہ گرفتار بقیدِ ہوسی

ہستی کے سمندر میں ہے تو خار و خس — جینا ہے ترا مثلِ حباب ایک نفس
آزاد ہو اے قیدیٔ دامِ غفلت — ہے کس کے لیے بے ہودہ گرفتارِ ہوس

۳۱۹

از بہرِ دو روز رنج دنیا نکشی
این بارِ گران بدوش بیجا نکشی
امروز اگر دست زخواہش بکشی
درد و غم و انفعال فردا نکشی

دو دن کے لیے زحمتِ دنیا نہ اُٹھا
یہ بارِ گراں دوش پہ بے جا نہ اُٹھا
اس حرص سے آج ہی کنارہ کر لے
کل کے لیے بوجھ رنج و غم کا نہ اُٹھا

۳۲۰

ای بے خردی کہ از خدا بی خبری
آشفتہ و دیوانۂ سیمی و زری
بیش و کمِ دنیا بکفِ جودِ خداست
وز بخششِ او ہمہ کس کینہ وری

خالق سے تو بیخبر ہے اے والئے خرد
سر میں ہے زر و سیم کا سودا بے حد
بیش و کمِ دنیا کا تو مالک ہے خدا
بخشش جو کسی پہ ہے تو کیوں تجھ کو ہے کد

۳۲۱

ای جانِ گرامی بجدا نادانی — درخانۂ من یک دو سہ دم مہمانی
برچرخ اگر روی وخورشید شوی — آن ذرّہ کہ در شمار ناید آنی

اے جانِ گرامی تو بہت ناداں ہے — دو تین ہی سانس کا یہاں مہماں ہے
وہ ذرّہ ہے تو جو کسی گنتی میں نہیں — ہاں پہنچے فلک پہ تو مہِ تاباں ہے

۳۲۲

خواہی کہ شوی شاہ وگدائی نہ کنی — باید کہ خیالِ پارسائی نہ کنی
از دُردکشی صاف دلی حاصل کن — یک گام ز میخانہ جدائی نہ کنی

خواہش ہے رہو شاہ، گدائی نہ کرو — لازم ہے خیالِ پارسائی نہ کرو
مل جائے گی دُردِ مے سے بھی صاف دلی — میخانے سے دم بھر بھی جدائی نہ کرو

۳۲۳

افسوس کہ غافل تو ز ہستی ہستی / پیوستہ ز صہبائی رعونت مستی

ہر چند شوی بلند چون شعلہ خسی / از شامتِ سرکشی در آخر پستی

تجھ کو یہ نہیں خبر کہ ہے کیا ہستی / صہبائے رعونت کی ہے دائم مستی

کچھ بھی نہیں کتنا بھی ہو اونچا شعلہ / انجام ہے سرکشی کا آخر پستی

۳۲۴

گہ سرو و گہی سنبل و گہ یاسمنی / گہ کوہ و بیابانی و گاہی چمنی

گہ نور چراغی و گہی بوئے گلی / گہ در چمنی و گاہ در انجمنی

سنبل ہے کبھی اور کبھی برگِ سمن / تو دُرِّ عدن کہیں، کہیں لعلِ یمن

تو شمع کا نور ہے ہر اک محفل میں / بوئے گلِ تر ہو کے بھی ہے زیبِ چمن

۳۲۵

ہر چند کہ کم لطف و دل آزار توئی　　بیش از ہمہ غم خوار و وفادار توئی
در عالمِ امتحان چو گشتم دیدم　　ہر جا کہ بود خستہ دلی یار توئی

ہر چند کہ کم لطف و دل آزار ہے تو　　پھر بھی مرا غم خوار و وفادار ہے تو
معلوم ہوا یہ آزمانے کے بعد　　دل خستہ کہیں بھی ہو مددگار ہے تو

۳۲۶

سرمد در دین عجب شکستی کردی　　ایمان بفدائی چشمِ مستی کردی
با عجز و نیاز جملہ نقد خود را　　رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

دیں چھوڑ دیا اور کیا کفر سے ساز　　ایمان کیا ترک جھکا سوئے مجاز
کافر پہ فدا کر دیا تو نے سرمد　　جتنا تھا ترے پاس زرِ عجز و نیاز

۳۲۷

افسوس ز سر تا بقدم بو الہوسی — اندیشه بکن به بین چه چیزی چه کسی
آزاد بشو ز دام غفلت گفتم — تا در ہوسی اسیر اندر قفسی

ہے تیر ہوس اور تو اس کا نخچیر — کچھ سوچ کہ تو خاک ہے یا ہے اکسیر
پھندے غفلت کے توڑ۔ ہو جا آزاد — جبتک تو ہوس میں ہے قفس میں ہے اسیر

۳۲۸

ای دل ز ہوا و حرص غمگین بشدی — با بیش و کم جہان بہ تسکین بشدی
خود را سبک و ننگ دو عالم کردی — از بار گران خستہ و سنگین بشدی

کیوں حرص و ہوا سے ہی تو اے دل غمگیں — کیوں بیش و کم جہاں سے پائی تسکیں
اب پھرتا ہے کیوں ننگ دو عالم ہو کر — اس بوجھ سے دم بھر تجھے آرام نہیں

۳۲۹

ای دل تو درین زمانه گمراه شدی — پابند ہوا و حرص جانکاه شدی
زین دام بلا اگر بجستی آخر — سر تا بقدم داد و غم و آه شدی

اے دل تو غمِ دہر سے گمراہ بھی ہے — پابند ہوا و حرص جانکاہ بھی ہے
اس دامِ بلا سے کیوں ہے تجھ کو الفت — تو درد بھی ہے رنج بھی ہے آہ بھی ہے

۳۳۰

فارغ ز ہوا و حرص یکدم نشدی — از فکر مآل کار از غم نشدی
چون گاو خری کہ ہست در فکرِ وجود — کمتر تو ز سگ شدی و آدم نشدی

بے گانہ کبھی حرص سے یکدم نہ ہوا — تسکین ملی کب تجھے کب غم نہ ہوا
حیواں کی طرح تجھ کو رہا فکرِ وجود — کُتّے سے بھی کم تر ہوا آدم نہ ہوا

۳۳۱

در خوابی و از خویش نداری خبری　　غفلت ندہد بجز ندامت ثمری
یاران ہمہ رفتند تو ہم در راہی　　بر ہستی موہوم نداری نظری

اے سوئے ہوئے تجھ کو نہیں اپنی خبر　　جز شرم نہ مل سکے گا غفلت کا ثمر
تو راہ میں ہے دوست گئے منزل تک　　کیوں ہستیٔ فانی پہ نہیں تیری نظر

۳۳۲

ہر روز بدریائے ہوس گردابی　　از ظلمتِ غفلت ہمہ شب در خوابی
ایامِ جوانی شد و پیری آمد　　وقت است اگر فیض چمن دریابی

کھاتا ہے تو دریائے ہوس میں چکر　　طاری تجھ پر ہے خوابِ غفلت شب بھر
ایامِ جوانی گئے پیری آئی　　ہے وقت ابھی فیضِ خدا حاصل کر

۳۳۳

ای باد بگو بمیرزائی بخشی　　کای کردہ فلک بزیر رایت رخشی
گفتی کہ کواکب چو درم می پاشم　　خورشید مرا نیز بمن می بخشی

بخشی سے یہ کہہ جا کے تو اے بادِ صبا　　افلاک پہ لہراتا ہے تیرا جھنڈا
برساتا ہے تارے تو درم کے مانند　　للہ مجھے بخش دے خورشید مرا

کتابیات

1. **Dara Shikoh, Life and Works by Dr. Bikarmajit Hasrat**
2. **Rubaiyat-i-Sarmad by Fazal Mahmud Asiri.**
3. **History of Aurangzeb by Jadu Nath Sarkar**
4. **The Cambridge History of India.**
5. **Dara Shikoh by K. R. Qanungo.**
6. **Oriental Biographical Dictionery edited by the Asiatic Society Bengal.**
7. **Majma-ul-Bahrain by Dara Shikoh edited by Mahfuzul Haq.**

۸ - دبستانِ مذاہب مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۸۱ء

۹ - دیوان قطب الدین بختیار کاکی مطبوعہ نول کشور ۱۸۸۲ء

۱۰ - تاریخ ادبیاتِ ایران از ڈاکٹر رضا زادہ شفق ترجمہ سید مبارز الدین رفعت

۱۱ - کلمات شعراء از سرخوش

۱۲ - ریاض الشعرا از والہ داغستانی
۱۳ - سوانح سرمد از ابوالکلام آزاد (مقالہ)
۱۴ - دیوان حافظ مترجم اُردو از خواجہ محمد عباد اللہ ۔ لاہور ۔
۱۵ - خانہ جنگی ۔ پروفیسر محمد مجیب ۔
۱۶ - منطق الطیر ۔ مطبوعہ پیرس ۔ مرتب گارساں دتاسی ۔ ۱۸۵۷ء